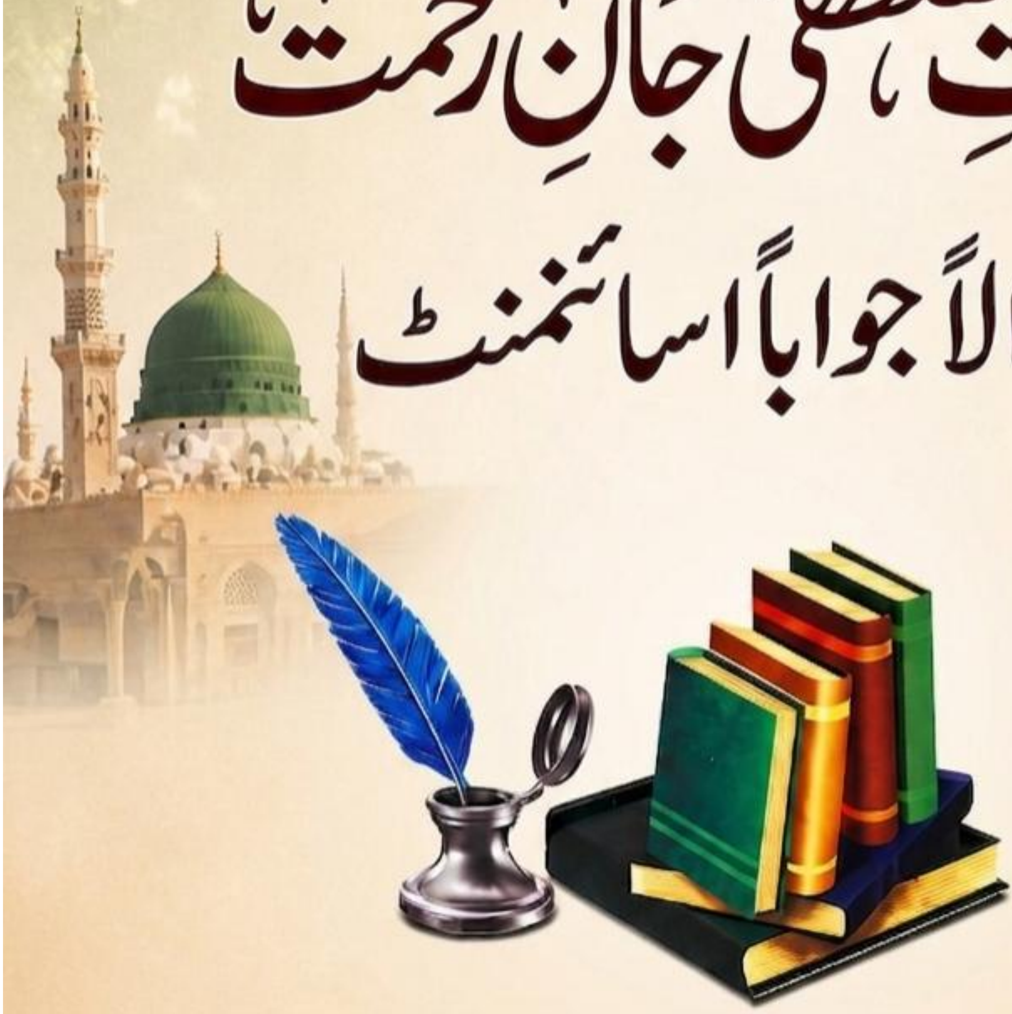
سیرتِ مصطفیٰ جانِ رحمت

سوالاً جواباً اسائنمنٹ



مرتب:

محمد افضل رضا عطاری

شعبہ: فیضان آن لائن اکیڈمی

سیرت مصطفٰی جان رحمت

سوالاً جواباً اسائنمنٹ

مرتب: محمد افضل رضا عطاری

شعبہ: فیضان آن لائن اکیڈمی (دعوتِ اسلامی)

{بسم اللہ الرحمٰن الرحیم}

پہلا باب زمانہ جاہلیت:

سوال: زمانہ جاہلیت سے کیا مراد ہے؟ اس کا اطلاق کس پر ہوتا ہے؟ نیز اس زمانے میں ایسے کیا افعال ہوا کرتے تھے جس کی وجہ سے اسے زمانہ جاہلیت "کہہ کر یاد کیا جاتا ہے؟

جواب: امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: " جاہلیت" کا استعمال ماضی پر ہوتا ہے، اس سے مراد اسلام سے پہلے کا زمانہ ہے۔ ہر جگہ توحید کی شمعیں بجھ چکی تھیں اور شرک والحاد کی چنگاریاں بھڑک رہی تھیں۔ گزشتہ انبیائے کرام کی تعلیمات بدل گئی تھیں اور وحی الٰہی کا چمکتا نور دھندلا گیا تھا۔ گنتی کے چند خوش نصیب افراد کے سوا خالق و مالک اللہ پاک کی وحدانیت کا پرچم لہرانے والا کوئی نہ تھا۔ الغرض! چھٹی صدی عیسوی ایک ایسا دور تھا جب انسان نے عزت و کرامت کا لباس اتار پھینکا تھا اور جہالت و ظلم سے ناتا جوڑ لیا تھا۔ دنیا کے دیگر خطوں کی طرح جزیرہ نما عرب کی حالت بھی ہر گز بہتر نہ تھی، بلکہ یہ علاقہ جہالت اور ظلمت کے اعتبار سے دنیا کے کئی دوسرے حصوں سے آگے تھا۔

سوال: زمانہ جاہلیت میں لوگوں نے جنازے اور حج کے لئے کیا طریقہ اختیار کر لیا تھا؟

جواب: جنازے کہ لیے جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ یہ کہ جب کوئی مر جاتا تو اسے کفن دے کر چار پائی پر رکھ دیتے اور میت کا قریبی رشتہ دار پاس آکر مرنے والے کی خوبیاں بیان کرتا اور اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتا پھر وہ اسے دفن کر دیتا۔ اس طرح جنازے کی عبادت کا حقیقی مقصد خودستائی (اپنی تعریف) کرنے کے شوق کی نظر ہو گیا تھا۔

حج کہ لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ تلبیہ میں ایسے جملے ملا دیتے کہ رب کی توحید اور وحدانیت کا عقیدہ بگڑ جاتا اور شرک کی گندگی گلے کا ہار بن جاتی۔ ان میں رائج تلبیہ کے الفاظ یوں تھے: لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَا شَرِیکَ لَکَ إِلَّا

شَرِیکَ ہُوَ لَکَ تَمۡلِکُہُ وَمَا مَلَکَ یعنی میں حاضر ہوں! اے اللہ! میں حاضر ہوں! تیرا شریک وہی ہے جس کا تو مالک ہے اور وہ شریک جن کا مالک ہے ان کا مالک بھی تو ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ انہوں نے حج میں دیگر من چاہی پابندیاں اور عجیب و غریب

سوال: قریش نے حرم اور غیر حرم والوں کے لئے کیا قوانین بنائے تھے؟

جواب: انہوں نے اعلان کر دیا: " جو حرم کے باہر سے آئیں انہیں وہ کھانا نہیں کھانا چاہیے جسے وہ اپنے ساتھ باہر سے لائے ہیں۔ " اسی طرح حرم سے باہر والوں کیلئے انہوں نے لازمی کر دیا کہ وہ پہلا طواف حمس والوں کے کپڑوں کے علاوہ کسی اور کپڑے میں نہ کریں، اگر حمس والوں کے کپڑے نہ ملیں تو ان کپڑوں میں طواف کیا جائے جنہیں حرم کے باہر سے لایا جائے، مگر طواف سے فارغ ہو کر یہ کپڑے پھینک دیئے جائیں اور ان کپڑوں کو اب کوئی نہ چھوئے۔ جبکہ اگر کوئی ان سب باتوں سے بچنا چاہیے تو وہ ننگا ہو کر طواف کرے ، یوں لوگ عرفات میں قیام کرتے ، پھر وہاں سے روانہ ہوتے اور ننگے ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے، عورتیں بھی کھلی قمیص کے سوا سارے کپڑے اتار دیتی تھیں۔

سوال: قرآن کریم کی کس آیت میں زمانہ جاہلیت کے حالات کی طرف اشارہ ہے؟

جواب: ۔ قرآن کریم نے ان حالات کو بڑے ہی جامع انداز میں اس طرح بیان فرمایا ہے : ﴿وَإِنۡ كَانُوا مِنۡ قَبۡلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ ترجمہ : اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔{پ 4، ال عمران : 164}

سوال: اللہ پاک نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اہل عرب میں ہی کیوں بھیجا؟

جواب: عرب سرزمین کو اسلام کا اولین مرکز بنانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آج سے تقریباً ساڑھے چودہ سو سال پہلے کی معلوم دنیا کے نقشے کو دیکھا جائے تو مکہ شریف و مدینہ پاک تقریباً نظر آتے ہیں، قدرت نے عرب کا محل وقوع ایسا بنایا ہے کہ یہ دنیا کے تین براعظموں یعنی ایشیا، یورپ اور افریقا کے درمیان ہے۔ یوں ہر وہ تحریک اور آواز جو عرب سے پیدا ہو ان تینوں براعظموں تک اس کا پہنچنا نسبتاً آسان و سہل ہے۔ اس سے یہ سمجھ

آتا ہے کہ پوری دنیا کی ہدایت و راہنمائی کیلئے سب سے مناسب اور بہترین مقام عرب شریف ہی تھا۔ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دنیا بھر کے لوگوں کی اصلاح کی کوششیں وہاں سے شروع کی جائیں جہاں سب سے زیادہ جہالت اور ظلمت کا راج ہے۔ اسی لیے وہ خطہ جو پوری دنیا میں سب سے زیادہ تاریک تھا، رشد و ہدایت کا سورج سب سے پہلے وہیں طلوع ہوا اور اسی سرزمین کو روشن کیا، جب سب سے تاریک حصہ ہدایت کے سورج کی کرنوں سے روشن ہو گیا تو دیگر خطوں کو نور توحید سے روشن کرنا اور آسان ہو گیا۔ اللہ پاک اس ہدایت کے سورج کی تابانی اور روشنی سے ہمارے دلوں کو بھی اجالا نصیب فرمائے۔

دوسرا باب مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کے آباؤ اجداد:

سوال: کون سی آیت اور کون سی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے آباء واجداد مسلمان اور جنتی تھے؟

جواب: مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے تمام آباء و اجداد اللہ پاک کی توحید کے قائل تھے۔ قرآن پاک کی آیت مبارکہ ﴿وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّجِدِينَ﴾ ترجمہ: اور نمازیوں میں تمہارے دورے کو اللہ پاک ملاحظہ فرماتا ہے)۔ میں بعض مفسرین کے نزدیک ساجدین سے مومنین مراد ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے حضرت آدم علیہ السلام تک آپ کے تمام آباء واجداد سب کے سب مومن ہیں۔

خود اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں: لَمْ أَزَلْ أُنْقَلُ مِنْ أَصْلَابِ الطَّاهِرِينَ إِلَى أَرْحَامِ الطَّاهِرَاتِ "یعنی میں ہمیشہ پاکیزہ مردوں کی پشتوں سے پاکیزہ بیبیوں کے رحموں میں منتقل ہوتا رہا۔ اس حدیث میں بھی اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا سے لے کر آخری نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم تک آپ کے سارے آباء واجداد میں سے کوئی بھی کافر نہ تھا کیونکہ کافر کو پاکیزہ نہیں کہا جا سکتا۔

سوال: واقعہ فیل کیا ہے؟

جواب: یمن کے عیسائی حکمران ابرہہ نے صنعا میں کلیسا بنوایا، اسے سونے سے آراستہ کیا اور لوگوں کو اس کا

حج اور طواف کرنے کی دعوت دی۔ ایک عربی نے اس میں بول و براز (پیشاب، پاخانہ کر دیا، اس وجہ سے ابرہہ کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی اور وہ لشکر کے ہمراہ مکہ شریف پر حملہ آور ہوا، لشکر میں ہاتھی بھی تھے اس لئے اس لشکر والوں کو اصحاب الفیل کہا جاتا ہے۔ اہل مکہ آس پاس کے پہاڑوں پر چلے گئے مگر حضرت عبد المطلب حرم شریف میں گئے اور کعبہ شریف کا غلاف پکڑ کر دعا کی کہ اے مولا ! تو اپنے گھر کی حفاظت فرما۔ اللہ پاک نے سمندر کی جانب سے چھوٹے چھوٹے ابابیل پرندوں کا لشکر بھیجا جن کے پنجوں اور چونچوں میں پتھر تھے۔ انہوں نے یہ پتھر لشکر پر پھینکے جس سے یہ ہلاک ہو گئے۔

سوال: قریش کس کا لقب ہے؟ قریش کو قریش کیوں کہتے ہیں؟

جواب: فہر بن مالک کا لقب قریش تھا .قریش کا معنی ہے: جمع کرنا۔ قریش کو یہ نام دینے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ جب حضرت قصیٰ نے عرب میں بکھرے ہوئے اپنے قبیلے کو مکہ شریف میں جمع کیا تو اس خاندان کو قریش کہا جانے لگا.

سوال: نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پیاری امی جان کے اوصاف بیان کریں۔

جواب: حضرت بی بی آمنہ خاندان بنو زہرہ کی نیک اور باعزت و باوقار خاتون ہیں۔ بی بی آمنہ نہایت پارسا، پرہیز گار ، طہارتِ نفس، شرافت نسب اور عزت و وجاہت والی صاحب ایمان خاتون تھیں۔ آپ قریش کی عورتوں میں حسب نسب اور فضیلت میں سب سے ممتاز تھیں۔ جاہلیت کے اس دور میں جبکہ بے پردگی اور آوارگی بہت عام تھی، حضرت آمنہ ایسے امور سے کوسوں دور تھیں۔ حضرت بی بی آمنہ انتہائی پر دہ دار خاتون تھیں ، ہمیشہ گھر کی چار دیواری میں رہتیں ، نا محرم مردوں سے ملنا اور ان کی خبریں سننا بالکل پسند نہ فرماتیں۔ آپ کلام پر قدرت رکھنے والی شاعرہ تھیں۔ اپنے شوہر نامدار حضرت عبد اللہ کے وصال پر ایک قصیدے میں اپنے جذبات کا جس طرح آپ نے اظہار کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے شوہر سے بے پناہ محبت تھی اور آپ عربی زبان دانی میں مہارت بھی رکھتی تھیں۔ آپ کا وصال دورانِ سفر ابواء شریف کے مقام پر ہوا وہیں آپ کی تدفین کی گئی۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عمر چھ سال تھی۔

سوال : مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے زندگی میں والد کا سایہ کیوں نہ پایا؟ اس کی تین حکمتیں بیان کریں؟

جواب: (1) اس کی حکمت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر مخلوق میں سے کسی کے وہ حقوق نہ ہوں جو بالغ ہونے کے بعد ثابت ہوتے ہیں ، اسی لیے جب ان کی عمر چھ سال کی تھی تو ان کی والدہ بھی دنیا سے چلی گئیں۔ (2) ایک حکمت یہ بھی ہے کہ پتا چل جائے کہ عزت والا وہی ہے جسے اللہ پاک خود عزت عطا فرمائے۔ (3) یہ وجہ بھی ہے کہ آپ کی عزت آباء و اجداد اور مال و دولت کی وجہ سے نہیں بلکہ آپ کی قوت و طاقت رب کی عطا سے ہے۔ (4) ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جب آپ نے خود ایسے دن دیکھ لیے (اور یتیموں کے درد سے آشنا ہو گئے) تو فقیروں اور یتیموں پر بھرپور رحم فرمائیں گے۔

تیسرا باب مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی ولادت باسعادت:

سوال: جس سال پیارے آقا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا نور مبارک حضرت آمنہ کے بطنِ اطہر میں تشریف لایا اس سال کا نام کیا ہے، نیز اس نام کی وجہ کیا تھی؟

جواب: مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا نورِ مبارک جس سال حضرت عبد اللہ سے حضرت آمنہ کے بطن اطہر میں تشریف لایا، اس سال کا نام سَنَۃُ الفَتْحِ والابتھاج (یعنی شادمانی اور کامرانی کا سال) پڑ گیا۔ وجہ یہ ہے کہ پہلے قریش سخت قحط اور تنگ دستی کا شکار تھے ، مگر اس سال زمین ہری بھری ہو گئی ، درختوں میں خوب پھل لگا اور قریش پر ہر طرف سے خوشحالی کی بارش ہونے لگی

سوال: سیدہ آمنہ پر پیارے آقا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ولادت کی کیا کیا برکتیں ظاہر ہوئیں؟

جواب: سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ ولادت کے دن قریب آتے ہی پھر سے کسی نے انہیں یہ ہدایت دی : جب وہ نو مولود دنیا میں تشریف لے آئیں تو کہیے گا: میں اسے ہر حاسد کے شر سے خدائے واحد کی پناہ میں دیتی ہوں،

پھر اس کا نام محمد رکھنا ! اس نام کا مطلب ہے : " وہ جس کی بار بار تعریف کی جائے۔" یہ نام آسان ، دلکش اور پیارا ہونے کے ساتھ ساتھ نیا اور انوکھا بھی تھا۔

سوال: اللہ پاک کے آخری نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ولادت مشہور مقدس مہینوں میں نہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عزت و شان کا تعلق کسی مہینے سے نہیں ہے ، بلکہ مقامات کی طرح زمانہ بھی عزت و شرف پانے میں آپ کا محتاج ہے۔ اگر آپ کی ولادت مشہور و معزز مہینوں میں سے کسی میں ہوتی تو وہم ہوتا کہ فلاں مہینے کی وجہ سے شرف اور مرتبہ ملا ہے ، اسی لئے آپ کی ولادت اللہ پاک نے مشہور و محترم مہینوں کے علاوہ رکھی تا کہ آپ کی عنایت کے ذریعے اس مہینے کی عزت و عظمت ظاہر ہو۔ یہی حکمت پیر شریف کے دن پیدائش میں بھی ہے۔ مزید یہ کہ جس دن میں آپ کی ولادت ہوئی، اللہ پاک نے اس میں ویسی عبادتیں نہ رکھیں جیسی جمعہ کے دن رکھیں کہ یہی وہ دن ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ پاک نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو تمام جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے ، لہذا یہ اسی رحمت کی جھلک ہے کہ آپ کی ولادت کے دن آپ کی امت کو کسی خاص عبادت کا حکم نہیں دیا گیا

سوال: دلائل سے غور و فکر کریں کہ شب ولادت مصطفیٰ افضل ہے یا لیلۃ القدر؟

جواب: آپ کی شب ولادت تمام راتوں سے افضل ہے ، یہاں تک کہ لیلۃ القدر سے بھی۔ اس کی وجوہات میں سے یہ بھی ہے کہ لیلۃ القدر نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی امت کو آپ کے واسطے سے ملی ہے۔ نیز شب قدر میں فرشتے نازل ہوتے ہیں جبکہ شب میلاد میں وہ تشریف لائے جو فرشتوں سے بھی افضل ہیں ، اسی طرح شب قدر میں فضل و رحمت الہی کا سایہ صرف امت محمدی پر ہی دراز ہوتا ہے جبکہ شب ولادت مصطفیٰ میں تمام موجودات پر فضل ہوا کہ آپ تمام مخلوق کے لئے رحمت اور نعمت بن کر تشریف لائے ، لہذا اس رات کا نفع زیادہ عام اور وسیع ہے۔

چوتھا باب مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کی رضاعت:

سوال : حضرت ثوبیہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کے واقعے میں کیا کیا درس ہیں ؟

جواب: اس واقعے سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ اگر ایک لونڈی کو آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشخبری سنانے پر آزادی مل سکتی ہے تو پھر جس کے دل میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہوگی اس کو جہنم سے آزادی کیسے نہیں مل سکتی اور یہ بھی درس ملتا ہے کہ آقا کی ولادت کی خوشی منانی چاہیے یعنی میلاد منانے چاہیے ۔

سوال: مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ولادت کی خوشی منانے کے فوائد و ثمرات کیا کیا ہیں ؟ بیان کیجئے۔

جواب: امام جمالُ الدّین الکتانی لکھتے ہیں:''حضور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلّم کی ولادت کا دن نہایت ہی معظّم، مقدّس اور محترم و مبارَک ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود پاک اتّباع کرنے والے کے لئے ذریعۂ نجات ہے جس نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا اس نے اپنے آپ کو جہنّم سے محفوظ کرلیا۔ لہٰذا ایسے موقع پر خوشی کا اظہار کرنا اور حسبِ توفیق خرچ کرنا نہایت مناسب ہے۔''

سوال: اہل عرب رضاعت کیوں کرواتے تھے ؟ اس کی کوئی دو حکمتیں بیان کیجئے ؟

جواب: شہر مکہ اپنی عظمت کی وجہ سے ویسے ہی لوگوں کے لئے مرجع اور مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہاں قافلوں اور تاجروں کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ ایسے ماحول میں پروان چڑھنے والے بچے کی زبان اور لب و لہجہ ضرور متاثر ہوتے ہوں گے۔ اسی لیے وہاں کے معزز و مالدار لوگ اپنے بچوں کو رضاعت کے لئے دیہات میں بھیج دیتے تھے۔ اس کا ایک فائدہ تو زبان کے فصیح و بلیغ ہونے کی صورت میں ظاہر ہوتا ، دوسرا دیہات کی خالص غذائیں بچوں کے جسموں کو مضبوط اور اعصاب کو طاقت ور کر دیتیں۔ اسی دستور کے مطابق اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی رضاعت کے لئے بھی کسی دایہ کی تلاش شروع ہو گئی۔

سوال: مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دودھ پلانے والی خواتین سے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟

جواب: جس خاتون نے بھی حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دودھ پلانے کا شرف حاصل کیا اللہ پاک نے اسے ایمان کی دولت عطا فرمائی۔

سوال: مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بنو سعد میں کیا کیا برکتیں ظاہر ہوئیں؟

جواب: وُجُودِ مُصْطَفٰے کی برکتیں:

بی بی حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ کی برکتوں کو یوں بیان فرماتی ہیں: ☆میرا قبیلہ ''بنی سَعْد'' قَحْط میں مبتلا تھا، جب میں آپ کو لے کر اپنے قبیلے میں پہنچی تو قَحْط دور ہوگیا، زمین سَر سَبز، درخت پھلدار اور جانور موٹے تازے ہوگئے۔ ☆ایک دن میری پڑوسن مجھ سے بولی: اے حلیمہ! تیرا گھر ساری رات روشن رہتا ہے، اِس کی کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا: یہ روشنی کسی چراغ کی وجہ سے نہیں، بلکہ (حضرت) محمد (صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم) کے نورانی چہرے کی وجہ سے ہے۔ ☆میرے پاس 7 بکریاں تھیں، میں نے آپ کا مُبارَک ہاتھ اُن بکریوں پر پھیرا تو اِس کی بَرَکت سے بکریاں اتنا دودھ دینے لگیں کہ ایک دن کا دودھ 40 دن کے لئے کافی ہوجاتا تھا۔ اِتنا ہی نہیں میری بکریوں میں بھی اِتنی برکت ہوئی کہ سات سے 700 ہوگئیں۔ ☆قبیلے والے ایک دن مجھ سے بولے: ان کی برکتوں سے ہمیں بھی حصّہ دو! چنانچہ میں نے ایک تالاب میں آپ کے مُبارَک پاؤں ڈالے اور قبیلے کی بکریوں کو اُس تالاب کا پانی پلایا تو ان بکریوں نے بچے پیدا کئے اور قوم ان کے دودھ سے خوشحال و مالدار ہوگئی۔ ☆آپ کو لڑکے کھیلنے کے لئے بلاتے تو ارشاد فرماتے: مجھے کھیلنے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ ☆آپ میرے بچّوں کے ساتھ جنگل جاتے اور بکریاں چَرایا کرتے تھے۔ ایک دن میرا بیٹا مجھ سے بولا: امّی جان! (حضرت) محمد (صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم) بڑی شان والے ہیں، جس جنگل میں جاتے ہیں ہَرا بھرا ہوجاتا ہے، دھوپ میں ایک بادل اِن پر سایہ کرتا ہے، ریت پر آپ کے قدم کا نشان نہیں پڑتا، پتّھر اِن کے پاؤں تلے خمیر (گُندھے ہوئے آٹے) کی طرح نرم ہوجاتا اور اُس پر قدم کا نشان بن جاتا ہے، جنگل کے جانور آپ کے قدم چومتے ہیں۔

سوال: شق صدر کیا ہے؟ یہ کتنی بار ہوا؟ اس کی وجوہات کیا تھیں؟

جواب: سرکارِ دوعالَم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا چار مرتبہ شَقِّ صَدْر ہوا یعنی حضرت سیِّدُنا جبریلِ امین علیہ السّلام نے مبارک سینے کو چاک کرکے مقدس دل باہر نکالا ، سونے کے طَشْت میں آبِ زَمزم سے غسل دیا اور نور و حکمت سے بھر کر اس کی جگہ واپس رکھ دیا۔ شَقِّ صَدْر کی حکمتیں :اللہ کریم کا فرمانِ عظیم ہے : ترجمۂ کنزُالعرفان : کیا ہم نے تمہاری خاطر تمہارا سینہ کشادہ نہ کردیا؟ حکیمُ الاُمّت مفتی احمد یار خان رحمۃُ اللہ علیہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں : سینہ کشادہ کرنے سے مراد یا سینہ چاک کرنا ہے یا سینہ کھولنا یا وسیع فرمانا۔ اگر پہلے معنی (یعنی سینہ چاک کرنا) مراد ہوں تو خیال رہے کہ حُضور (صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم) کا سینہ مبارک 3 یا 4 بار چاک کرکے قلبِ مبارک دھویا گیا۔ اوّل : بی بی حلیمہ دائی کے ہاں تاکہ دل میں کھیل کود کی رغبت نہ ہو ، پھر شروعِ شباب (یعنی جوانی کے آغاز میں) میں تاکہ جوانی کی غفلت نہ آنے پائے ، پھر عطاءِ نبوت کے قریب تاکہ دل بارِ نبوت کو برداشت کرسکے ، پھر معراج کی رات تاکہ عالَمِ ملَکُوت کے نظارہ اور دیدارِ الٰہی کا تَحَمُّل ہوسکے ، یہ ظاہری شَرحِ صَدْر ہے۔

پانچواں باب مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کے ایام کفالت:

سوال : نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے والدہ ماجدہ کے ساتھ سفر مدینہ کے کیا مقاصد تھے ؟

جواب: اس سفر کے دو بنیادی مقاصد تھے : (1) ایک یہ کہ اپنے جگر گوشے (بیٹے) کو ان کے والد ماجد کے مزار کی زیارت کروائیں۔ (2) دوسرا یہ کہ انہیں اپنے دادا عبد المطلب کے ننھیال سے بھی متعارف کروائیں ۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دادا کی آپ سے محبت کے کچھ انداز بیان کریں؟

جواب:مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم والدین کی رحلت (وفات) کے بعد مکمل طور پر اپنے دادا کی کفالت میں آگئے۔ والدہ کے وصال کے بعد شفیق و مہربان دادا کی اپنے پوتے سے محبت و الفت اور بڑھ گئی۔ وہ ہر وقت اپنے پوتے کو ساتھ رکھتے، لاڈلے پوتے کے بغیر کھانا نہ کھاتے۔ چونکہ حضرت عبد المطلب قریش کے سردار تھے یوں ان کے لئے کعبہ شریف کے سائے میں ایک خصوصی نشست بچھائی جاتی تھی، کسی کی مجال نہ

تھی کہ اس پر قدم رکھتا لیکن ان کا یہ لاڈلا پوتا بلا جھجک اس پر چڑھ کر بیٹھ جاتا، آپ کے چچا روکنا چاہتے تو حضرت عبد المطلب کہا کرتے : " دَعُوا ابْنِي ! فَو اللہِ إنْ لَہ لسانا یعنی میرے بیٹے کو مت پکڑو! اس کا مقام بڑا بلند ہے۔ پھر آپ کو اپنے ساتھ پہلو میں بٹھاتے اور آپ کی پشت مبارک (پیٹھ) پر پیار سے ہاتھ پھیرتے۔

سوال: سیدہ آمنہ کے آخری کلمات کیا تھے؟ اور ان پر امام احمد رضا خان نے کیا تبصرہ کیا ہے؟

جواب:آخری جملے یہ تھے: ہر زندہ کو مرنا ہے اور ہر نئے کو پرانا ہونا ہے اور کوئی کیسا ہی بڑا ہو ایک دن فنا ہونا ہے۔ میں بھی جارہی ہوں لیکن میرا ذکر ہمیشہ خیر کے ساتھ باقی رہے گا، اس لئے کہ کیسی عظیم خیر چھوڑ کر چلی ہوں اور کیسا ستھرا بیٹا پیدا کیا ہے۔" یہ کہا اور انتقال فرما گئیں، آپ کو وہیں دفن کیا گیا۔

اعلیٰ حضرت ، امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ ان کلمات کے بعد لکھتے ہیں: سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی یہ ایمانی فراست اور نورانی پیشین گوئی قابلِ غور ہے کہ میں تو انتقال کرتی ہوں مگر میرا ذکر خیر ہمیشہ باقی رہے گا۔ عرب و عجم کی ہزاروں شہزادیاں، بڑی بڑی تاج والیاں خاک کا پیوند (دفن) ہوئیں جن کا نام تک کوئی نہیں جانتا، مگر اس پاکیزہ خاتون کے ذکر خیر سے زمین کے مشرق و مغرب میں انسانوں اور قدسیوں (فرشتوں) کی محافل و مجالس سے زمین و آسمان گونج رہے ہیں اور ہمیشہ گونجیں گے۔

سوال: اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم والدین کریمین کی وفات کے بعد کس کی کفالت میں رہے؟

جواب: اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم والدین کریمین کی وفات کے بعد اپنے دادا حضرت عبد المطلب اور اپنے چاچا ابو طالب کی کفالت میں رہے۔

باب چھٹا مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کا پیارا لڑکپن:

سوال: قحط اور اس سے نجات کا واقعہ کیا ہے؟

جواب:ایک مرتبہ مکہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں سخت قحط پڑ گیا۔ عرصے سے بارش کی ایک بوند

بھی نہ ٹپکی تھی۔ ہر شخص پریشان تھا، چند لوگ ایک جگہ بیٹھے اس پر بات چیت کر رہے تھے اور اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کی تدبیریں سوچ رہے تھے ، کوئی کسی بت سے فریاد کرنے کا مشورہ دے رہا تھا، کوئی کسی بت کی چوکھٹ پر سر جھکانے کی تجویز دے رہا تھا۔ ایک سمجھ دار و عقل مند شخص کہنے لگا: آنّٰی تُؤفَکُوۡنَ یعنی کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو ؟" جب تمہارے درمیان ابراہیم و اسمٰعیل کی اولاد کی نشانی موجود ہے تو ادھر اُدھر کیوں جا رہے ہو ؟ کچھ لوگ سمجھ گئے ، کہنے لگے : شاید ابو طالب کی طرف اشارہ کر رہے ہو ؟ کہا: ہاں ! انھی کا کہہ رہا ہوں۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور جناب ابو طالب کے دروازے پر آئے اور انہیں کہا: آپ دیکھ رہے ہیں کہ کیسا زور دار قحط پڑا ہے۔ براہ کرم! آیئے ! اور بارش کے لئے دعا مانگئے۔ وہ سب کے ساتھ روانہ ہو گئے ، ان کے ساتھ آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی تھے ، اس وقت آپ نوخیز لڑکے کی طرح تھے ، لیکن نبوت کے انوار اپنا رنگ دکھا رہے تھے ، رخ انور کو دیکھ کر ایسا لگتا جیسے سورج ابھی بادلوں سے نکلا ہو ۔ جناب ابو طالب نے آپ کو پکڑا اور کعبہ شریف سے آپ کی پیٹھ مبارک لگا دی اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ اس وقت بادلوں کا نام و نشان نہ تھا، ہاتھ اٹھاتے ہی بادل کی ٹکڑیاں نجانے کہاں سے اُمڈ کر آگئیں، پھر ایسی موسلا دھار بارش برسی کہ ہر طرف جل تھل ہو گیا

سوال: جرجیس راہب کا لقب کیا ہے ؟ اور اس کا نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا؟

جواب: جرجیس راہب کا لقب بحیرا تھا واقعہ یہ پیش آیا کہ راہب آپ کے پاس آیا، آزمانے کے لئے لات و عزیٰ کا واسطہ دے کر کچھ پوچھنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے اپنی صاف ستھری فطرت کے سبب شرک و کفر کے ان مرکزوں سے نفرت کا اظہار کیا۔ راہب نے اب اللہ پاک کے نام کی قسم دے کر کچھ پوچھنے کی کوشش کی۔ آپ نے رضا مندی کا اظہار کیا تو اس نے آپ سے کچھ سوالات کئے ، توقع کے مطابق جوابات پا کر اس نے پشت اقدس سے کپڑا ہٹا کر مہر نبوت کو بغور دیکھا اور اسے چوم لیا۔ پھر جناب ابو طالب سے یہ مکالمہ ہوا: راہب: یہ بچہ آپ کا ہے؟ ابو طالب : ہاں بیٹا ہے میرا۔ راہب : ہو ہی نہیں سکتا کہ ان کے والد زندہ ہوں۔ ابو طالب : ٹھیک، بیٹا یعنی میرا بھتیجا ہے۔ جب یہ اپنی ماں کے شکم میں تھے تب ہی وہ فوت ہو گئے تھے۔ راہب : ٹھیک

بات کہی، ان کی والدہ کہاں ہیں ؟ ابو طالب : کچھ عرصہ ہوا وہ بھی فوت ہو گئیں۔ راہب : آپ کے بھتیجے کی بڑی شان ہے ، انہیں لیں اور واپس وطن چلے جائیں، یہود سے ہمیشہ ہوشیار رہیں، اگر اُنھوں نے انہیں پہچان لیا، جیسا کہ میں نے پہچانا ہے تو وہ انہیں نقصان پہنچانے سے باز نہیں آئیں گے۔ راہب نے یہ بھی بتا دیا یہ تمام جہانوں کے سردار اور تمام جہانوں کے رب کے رسول ہیں، اللہ پاک انہیں تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گا۔ " ابو طالب نے اس پر خلوص نصیحت کو پلے باندھا اور انہیں ساتھ لے کر واپس آگئے۔

سوال : عیسائی راہب نے ایسا کیا دیکھا جس کی وجہ سے اس نے تمام قافلے کی دعوت کی ؟

جواب: عیسائی راہب کی خانقاہ کے پاس سے قافلے گزرتے ہی رہتے تھے ، اس نے کبھی ان کی پروا نہیں کی تھی، لیکن اس دفعہ اس نے خانقاہ سے دیکھا کہ ایک نوخیز لڑکے پر بادل سایہ کرتا ہے، جہاں وہ جائے بادل ساتھ جاتا ہے، جب قافلہ درخت کے نیچے بیٹھا تو بچے کے لئے درخت کے سائے میں جگہ نہ رہی، لیکن درخت نے جھک کر اپنا سایہ اس پر پھیلا دیا۔ یہ حیرت انگیز مناظر اس کے لئے تعجب کا باعث بنے۔ اس وجہ سے اس نے تمام قافلے والوں کی دعوت کر ڈالی۔

سوال : " حلف الفضول " سے کیا مراد ہے؟

جواب: ایک دن قریش کے بڑے بڑے سردار عبد اللہ بن جدعان کے گھر جمع ہوئے۔ وہاں ان سرداروں نے قسم اٹھا کر ایک عہد کیا اور پکا ارادہ کر لیا کہ ہم بے امنی کا خاتمہ ، مسافروں کی حفاظت ، غریبوں کی امداد، مظلوم کی حمایت اور ظالم کا محاسبہ کریں گے۔ یہی عہد و پیمان (معاہدہ) بعد میں "حلف الفضول " کے نام سے مشہور ہوا۔ بہت عرصہ پہلے مکہ میں اسی طرح کا ایک معاہدہ ہوا تھا ، اس معاہدے کا سبب بننے والوں کا نام "فضل " تھا، یوں اس کا نام پڑ گیا: "حلف الفضول" یعنی ان چند آدمیوں کا معاہدہ جن کے نام "فضل" تھے۔ اسی طرح کا یہ دوسرا معاہدہ تھا، اسے بھی اسی نام سے شہرت مل گئی۔

سوال : مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے تجارتی سفروں کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں ؟

جواب: 10 برس کی عمر میں آپ نے اپنے چاچا زبیر بن عبد المطلب کے ساتھ یمن کا تجارتی سفر بھی فرمایا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال لے کر آپ نے مُجرش (یمن میں ایک مقام) کی طرف دو بار تجارتی سفر فرمایا۔ ان میں سے ہر سفر ایک اونٹنی کے عوض (بدلے) تھا۔ اسی طرح اعلان نبوت سے پہلے آپ کے بحرین کی طرف سفر فرمانے کا ذکر بھی ملتا ہے۔

باب ساتواں مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کی جوانی کہ واقعات:

سوال: قریش تجارت کیلئے کہاں کا سفر کرتے تھے اور اس سے انہیں کیا فوائد تھے؟

جواب: ان کے تجارتی قافلے موسم گرما میں شام اور موسم سرما میں یمن کا رخ کرتے تھے۔ اس دور میں ان راستوں کے آس پاس قتل و غارت گری ہوتی رہتی تھی، قافلے لٹتے رہتے اور مسافر مارے جاتے تھے مگر قریش بڑے امن میں رہتے تھے۔ ہر جگہ کے لوگ انہیں اہل حرم کہتے اور ان کی عزت کرتے تھے، یہ امن کے ساتھ تجارتیں کرتے ، ان تجارتوں سے فائدے اٹھاتے اور مکہ شریف جہاں نہ کھیتی ہے، نہ معاش (کمانے) کے اسباب، وہاں مسلسل سرمایہ پہنچاتے اور خوشحالی کی زندگی گزارتے تھے۔

سوال : شہر بصری اور نسطورا راہب کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

جواب: بصری (Busra) جنوبی شام کا ایک قدیم اور اہم شہر ہے۔ بصری کا معنیٰ ہے بلند قلعہ ۔ مکہ شریف سے اس کا فاصلہ لگ بھگ 1575 کلو میٹر ہے۔ مسلمانوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اسے فتح کیا۔ ایک عرصے تک یہ شہر معروف و مشہور رہا پھر فتنۂ تاتار نے اس شہر کو ایسا اجاڑا کہ یہ گمنامی کا شکار ہو گیا۔ نسطورا راہب ایک عیسائی تھا جس نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی تھی ۔

سوال : مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سفر شام میں کیا کیا برکتیں ظاہر ہوئیں؟

جواب: (1) میں بدلیوں کا آپ پر سایہ کئے رہنا۔

(2) بیمار وست پڑ جانے والے اونٹوں کا آپ کے ہاتھوں سے شفا پانا۔

(3)نسطور اراہب کا آپ پر فدا ہونا۔

(4) بازار شام میں ایک اجنبی شخص کا آپ کے نبی ہونے کی پیشین گوئی کرنا۔

(5) توقع اور اندازوں کے بر خلاف اب تک کا سب سے زیادہ نفع حاصل ہونا۔

سوال : حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سیرت کے نمایاں پہلو بیان کیجئے۔

جواب: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا عام الفیل (ہاتھی والے واقعے کے سال) سے 15 سال پہلے پیدا ہوئیں ، والدہ کا نام "فاطمہ بنت زاءِہ " اور والد کا نام "خویلد " ہے جو تاجر تھے۔ حضرت خدیجہ بچپن سے شریف اور عالی (بلند) ہمت تھیں ، آپ کا تعلق قبیلۂ قریش کی شاخ بنو اسد بن عبد العزیٰ سے تھا ، ان کا سلسلۂ نسب تین واسطوں سے رَسُولُ اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے ملتا ہے ۔ اہلِ مکہ انہیں ان کی پاکدامنی کہ وجہ سے طاہرہ یعنی پاکباز کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ حضرت خدیجہ تقریباً 25 سال تک حضور علیہ السلام کی خدمت میں رہیں۔ ان کی زندگی میں آپ نے کوئی دوسرا نکاح نہ فرمایا۔ رَسُولُ اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے ایک فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے سوا باقی ساری اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔ حضرت خدیجہ نے اپنی ساری دولت آپ کے قدموں میں نثار کر دی اور ساری عمر آپ کی خدمت کرتے گزاری۔

سوال : رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی جوانی میں ہونے والی تعمیر کعبہ کا واقعہ کیا ہے ؟

جواب:اللہ کے آخری نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی عمر مبارک جب 35 برس ہوئی تو زبردست بارش سے حرِم کعبہ میں سیلابی پانی آ گیا۔ اس سے کعبہ شریف کی عمارت کو کافی نقصان پہنچا اور اس کا کچھ حصہ بھی گر گیا۔ قریش نے طے کیا کہ مکمل عمارت کو توڑ کر پھر سے کعبہ کی ایک مضبوط عمارت بنائی جائے جس کا دروازہ بھی بلند ہو اور اس کی چھت بھی ہو۔ چنانچہ قریش نے مل جل کر اس کام کو شروع کر دیا۔ اس تعمیر میں آپ بھی شریک ہوئے اور پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے رہے۔ مختلف قبیلوں نے کعبہ شریف کی عمارت کے مختلف

حصے آپس میں تقسیم کر لیے۔ لیکن جب حجرِ اسود رکھنے کا مرحلہ آیا تو فتنوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا، قبیلوں کا آپس میں سخت اختلاف ہوگیا۔

ہر قبیلے کی خواہش تھی کہ حجرِ اسود کو نصب کرنے کا اعزاز اسے حاصل ہو، اگر کوئی قبیلہ اس میں رکاوٹ بنے تو تلوار کے زور سے اس کا راستہ روکا جائے۔ چار دن اسی بات میں گزر گئے کہ حجرِ اسود کون نصب کرے گا۔ ایک بوڑھے شخص نے اس جھگڑے کو ٹالنے کیلئے یہ تجویز پیش کی کہ کل جو شخص صبح سویرے سب سے پہلے حرمِ مکہ میں داخل ہو اسی سے ہم اپنا فیصلہ کروائیں گے۔ وہ جو فیصلہ دے سب قبائل اسے تسلیم کریں گے۔ اس بات پر تمام قبائل کا اتفاق ہوگیا۔ خدا کی شان کہ صبح کو جو شخص سب سے پہلے حرمِ مکہ میں داخل ہوا وہ نبیِ کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم ہی تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی ان کی مسرت کی انتہا نہ رہی، سب کہنے لگے: یہ امین ہیں، یہ جو بھی فیصلہ فرمائیں گے ہم تسلیم کریں گے۔ آپ نے اس جھگڑے کو کمال دانش مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس طرح ختم کیا کہ فرمایا: جو قبیلے حجرِ اَسْوَد رکھنے کا تقاضا کرتے ہیں وہ اپنا ایک ایک سردار چن لیں۔ انھوں نے اپنے اپنے سردار چن لیے۔ پھر آپ نے اپنی چادر مبارک کو بچھا کر حجرِ اسود کو اس پر رکھا اور سرداروں سے فرمایا کہ وہ سب مل کر اس چادر کو تھام کر حجرِ اسود کو اٹھائیں ۔ سب نے ایسے ہی کیا اور جب حجرِ اسود اپنے مقام تک پہنچ گیا تو آپ نے برکت والے ہاتھوں سے اس مقدس پتھر کو اٹھا کر اس کی جگہ رکھ دیا۔ اس طرح آپ کی حکمت اور دانشمندی سے فتنہ و فساد کے شعلے بھی بجھ گئے اور سب کے دلوں میں مسرت و شادمانی کی لہر بھی دوڑ گئی۔

آٹھواں باب مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کی بعثت مبارکہ:

سوال: مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم غارِ حرا میں کیوں تشریف لے جاتے تھے؟

جواب: اللہ پاک پر ایمان لانے کے بعد اس کی محبت کو دل میں نقش کرنے (بٹھانے) کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ کثرت کے ساتھ اللہ کریم کی نعمتوں میں غور و فکر کیا جائے اور اس کا ذکر کیا جائے۔ یہ فکر و ذکر رب کی

محبت کے دروازوں کو کھول دیتا ہے۔ پھر یہی محبت انسان کے دل میں ایسی راسخ (مضبوط) ہوتی ہے کہ بڑی سے بڑی تکلیف اور ایذا اس کے لئے رکاوٹ نہیں بنتی۔ یہ وہ ہتھیار ہے جو ایک داعی (دین کی دعوت عام کرنے والے) کے ہاتھ میں ہونا چاہیے۔ یہی وہ چیز ہے جو اللہ پاک نے مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں پیدا فرمائی اور اسلام کی دعوت کا بوجھ اٹھانے کے لئے آپ کے قلب اقدس (دل) کو غارِ حرا کی ان تنہائیوں میں تیار فرمایا۔

سوال : سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پہلی وحی سے متعلق حدیث بیان کریں۔

جواب: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: سچے خواب دیکھنے کے بعد آپ تنہائی پسند ہو گئے اور غار حرا میں خلوت فرمانے (تنہا رہنے لگے)، مبارک گھر لوٹنے سے پہلے آپ وہاں کئی کئی راتیں ٹھہر کر عبادت کرتے اور اس کے لئے کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لے جاتے تھے۔ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے اور اتنی ہی چیزیں پھر لے جاتے حتیٰ کہ وہیں (610ء میں) آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔ ایک دن فرشتے نے حاضر ہو کر کہا: " اقرا یعنی پڑھئے۔ " فرمایا: " ما أنا بِقارِی میں نہیں پڑھتا۔ " فرشتے نے آپ کو پکڑا اور گلے لگا کر خوب زور سے دبایا پھر چھوڑ دیا اور کہا: " اقرا پڑھئے۔ "آپ نے پھر وہی فرمایا کہ میں نہیں پڑھتا۔ اس نے دوبارہ گلے لگا کر خوب زور سے دبایا اور پھر چھوڑ کر کہا: " اقرا پڑھئے۔ "آپ نے پھر وہی جواب دیا کہ میں نہیں پڑھتا۔ اس نے تیسری بار گلے لگا کر خوب زور سے دبایا، پھر چھوڑ دیا اور کہا﴿اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ اِقۡرَاۡ وَرَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ﴾ترجمہ : پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، آدمی کو خون کی پھٹک سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم۔

سوال : پہلی وحی سے کیا کیا اسباق اور نصیحتیں ملتی ہیں ؟

جواب:پہلی وحی کی آمد کا یہ منظر اس حقیقت کا اظہار کر رہا ہے کہ وحی کا یہ سلسلہ ذاتی اور باطنی نہ تھا، بلکہ یہ ایک خارجی حقیقت تھی، اس کا دل اور خیال سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اچانک سے خوف اور ڈر کا پیدا ہونا بھی اسی طرف راہنمائی کرتا ہے، کیونکہ خوف اور ڈر اس چیز سے ہوتا ہے جو خلافِ توقع اور اچانک ہوتی ہے ، اگر

کسی کام کو کچھ عرصے تک کر لیا جائے تو پھر اس سے خوف اور ڈر بھی ختم ہو جاتا ہے ، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ پر جو وحی نازل ہوئی وہ حقیقت میں اللہ پاک کی طرف سے تھی۔ اسی طرح پہلی وحی نازل ہونے کے بعد کچھ عرصے تک وحی کا رک جانا بھی اسی حقیقت کا اظہار ہے۔

سوال: نزول وحی کی قسمیں اور صورتیں کیا کیا ہیں؟

جواب:اس کی تین قسمیں ہیں: (1) اللہ پاک کا کلام براہ راست سننا۔ جیسے مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے شب معراج اور کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے سنا۔ (2) فرشتے کے ذریعے پیغام الہی کا آنا۔ (3) انبیائے کرام کے دل میں کسی بات کا ڈالا جانا

سوال: ورقہ بن نوفل کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

جواب: سرقہ بن نوفل حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کہ چچازاد بھائی تھے۔ وہ زمانہ جاہلیت میں اہل مکہ کے شرک و بت پرستی سے بیزار ہو کر عیسائی ہو گئے تھے ، عبرانی زبان میں کتابت کا کام کیا کرتے تھے اور جتنا اللہ پاک کو منظور ہوتا انجیل کو عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے۔

نواں باب مصطفیٰ جان رحمت ﷺ اور دعوت اسلام:

سوال: دعوت اسلام کا پہلا دور خفیہ طریقے سے ہوا، اس سے کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں؟

جواب: اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ دعوت و تبلیغ کے میدان میں ہمیشہ ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے حکمت عملی طے کی جائے۔

سوال: اسلام کی پہلی تربیت گاہ کون سی تھی اور اس کے انتخاب کی وجوہات کیا تھیں؟

جواب: اسلام کی پہلی تربیت گاہ (دار ارقم) تھی۔ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ خود بھی اس قافلے کے رکن تھے ، اس لئے انہوں نے خوشی خوشی اپنا مکان اسلام کی پہلی تربیت گاہ کے لئے پیش کر دیا۔

حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان کو منتخب کرنے کی ایک وجہ شاید یہ رہی ہو کہ ان کا یہ مکان کوہ صفا پر واقع تھا اور صفا ایک مقدس پہاڑی ہے، یوں اسلام کی دعوت کو عام کرنے کے عظیم کام کے لئے یہ بابرکت جگہ بالکل موزوں (مناسب) تھی، نیز پہاڑی پر ہونے کی وجہ سے یہ مکان بلندی پر تھا کہ وہاں سے دشمنوں پر نظر رکھنا بھی بہت آسان تھا، یوں خفیہ طریقے سے دعوت و تبلیغ کا کام کرنے کے لئے بھی یہ جگہ بالکل درست تھی۔

سوال: حضرت ارقم بن ابوارقم کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

جواب: حضرت ارقم بن ابوارقم مخزومی قریشی رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام صحابی ، جلیل القدر شخصیت کے مالک، تمام غزوات میں شرکت کرنے والے مجاہد ، کاتب وحی ، راوی احادیث اور اولین مہاجرین سے ہیں، کوہ صفا پر واقع اسلام کا پہلا مرکز دار ارقم آپ کا ہی گھر تھا۔ آپ کا وصال 22 جمادی الاخریٰ 53ھ یا 55ھ کو مدینہ پاک میں ہوا۔ یہ جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

سوال : مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حفاظت سے ابو طالب کو روکنے کیلئے کفارِ قریش کے کیا اقدامات تھے ؟

جواب:کفار قریش کو خاندان بنو ہاشم کے انتقام کے ڈر کی وجہ سے آپ پر براہ راست جان لیوا حملہ کرنے کی ہمت تو نہ ہوئی لیکن انہوں نے آپ کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اولا وہ یہ سمجھے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا مقصود دھن دولت اور مال و زر ہے، یوں انہوں نے آپ کو کثیر مال و دولت دینے کی پیش کش کی، جب آپ ایسی کسی پیش کش کو خاطر میں نہ لائے تو انہوں نے ابو طالب سے کہا کہ وہ آپ کی حفاظت کا ذمہ چھوڑ دیں اور راستے سے ہٹ جائیں، تا کہ وہ خود آپ کو راستے سے ہٹا سکیں لیکن ابو طالب آپ کی حفاظت و معاونت (مدد) کے لئے ڈٹے رہے اور اسلام کا یہ دستہ آہستہ آہستہ بڑھنے لگا۔

سوال: دعوتِ اسلام روکنے کیلئے کفار قریش نے کون سی چالیں چلیں؟

جواب: کافروں نے پہلے پہلے دھمکیوں سے کام چلانے کی کوشش کی مگر جب کچھ اثر نہ ہوا تو انہوں نے مختلف تدبیروں اور چالوں سے تبلیغ اسلام کی راہ میں روڑے اٹکانے کی کوششیں شروع کر دیں قریش کے کافروں کی ایک چال ہنسی مذاق اور استہزا تھی کہ اس کے ذریعے وہ مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو تبلیغ دین سے روکنے کی کوشش کریں۔قریش کے کافروں کی دوسری چال یہ تھی کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعلیمات و فرمودات اور خود آپ کی شخصیت کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات اور وسوسوں کے بیج بوئے جائیں قریش کے کافروں کی تیسری چال یہ تھی کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم جن چیزوں کی طرف بلاتے ہیں ہم لوگوں کو ان کا متبادل (Alternate) پیش کر دیں۔ لہذا انہوں نے سوچا کہ قرآن پاک میں عاد و ثمود اور دیگر قوموں کے واقعات ہیں تو ان کے مقابلے میں ایسے ہی قصے لوگوں کو سنائے جائیں جو دلچسپ بھی ہوں اور حیرت انگیز بھی۔

دسواں باب مصطفیٰ جان رحمت ﷺ اور کافروں کی ایذا رسانی :

سوال: کیا وجہ تھی کہ کفار قریش پیارے آقا صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور قرآن کریم کو حق و سچ ماننے کے باوجود بھی دولت اسلام سے محروم رہے ؟

جواب: ان کے دل اس بات کی گواہی دیتے تھے کہ آپ سچے نبی ہیں اور قرآن کریم کسی انسان کا کلام نہیں ہے لیکن بغض، حسد اور تکبر انہیں اجازت نہ دیتے تھے کہ وہ اسلام کو سینے سے لگائیں۔

سوال : رئیسان قریش کا چھپ کر آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تلاوت قرآن سننے کا واقعہ بیان کریں؟

جواب: مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا معمول تھا کہ رات کو اپنے گھر نماز میں قرآن کی تلاوت فرمایا کرتے تھے ، ایک رات ابو سفیان (جو اس وقت اسلام نہیں لائے تھے) آئے اور چپکے سے ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ گئے ، تھوڑی دیر گزری کہ ابو جہل بھی رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر ایک گوشے میں چھپ کر بیٹھ گیا، چند لمحوں بعد اخنس بن شریق بھی آپ کی مبارک زبان سے تلاوت قرآن کا مزہ لینے کیلئے وہاں پہنچ

گیا اور ایک جگہ دبک کر بیٹھ گیا۔ تینوں سخت کافر اور اسلام کے پکے دشمن قرآن سننے کے شوق میں وہاں بیٹھے تھے اور تینوں ایک دوسرے سے بے خبر تھے ۔ قرآنی آیات و الفاظ کی مٹھاس اور حلاوت، ساتھ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پیاری اور دلکش آواز میں کانوں میں رس گھولتی تلاوت، یہ تینوں ایسا کھوئے کہ رات کب گزری پتا ہی نہ چلا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے تلاوت ختم فرمائی تو ان میں سے ہر ایک نے اپنی راہ لی۔ راستے میں ایک مقام پر سب کی ملاقات ہو گئی، سب سمجھ گئے کہ ہوا کیا ہے، ایک دوسرے کو کو کوسنے لگے کہ سارا دن ان کی مخالفت کرتے ہو اور رات کی تنہائی میں آکر ان سے قرآن سنتے ہو ، قوم کو اگر پتا چل گیا تو وہ اپنا عقیدہ بدل لیں گے ۔ یوں سب نے وعدہ کیا کہ آئندہ کوئی نہیں آئے گا۔ اگلی رات آئی تو تلاوت سننے کی بے قراری تینوں کو پھر وہاں لے آئی، ا ممکن ہے ہر ایک نے سوچا ہو کہ دوسرا تو کوئی آئے گا نہیں، لہذا میں سن آتا ہوں، یوں سب وہاں پھر سے جمع ہو گئے اور دوسری رات بھی تلاوت سننے میں گزر گئی۔ صبح کا اجالا پھیلنے لگا تو سب اٹھے اور گھروں کو روانہ ہوئے۔ راستے میں پھر سب کا سامنا ہو گیا، لگے ایک دوسرے کو طعن کرنے، پھر سے تاکید کی کہ اب کوئی نہ آئے ورنہ بات پھیلی تو قوم کے لوگ گمراہ ہو جائیں گے ۔ اگلی رات نے جب اپنے پر پھیلائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی میٹھی اور پیاری آواز سے تلاوت نے ان کے دلوں میں انگڑائی لی اور وہ تینوں بے قابو ہو کر وہاں پہنچ گئے۔ ایک رات پھر دلکش آواز سے تلاوت سننے میں گزر گئی اور وقت کا پتا نہ چلا۔ صبح ہوئی تو سب گھروں کو روانہ ہونے لگے ، راستے میں پھر تینوں کی ملاقات ہو گئی ، تینوں شرمندہ ہوئے اور پکا وعدہ کیا کہ آئندہ کوئی نہیں آئے گا۔ صبح ہوئی تو اخنس بن شریق نے بڑا سا ڈنڈا پکڑا اور ابو سفیان کے گھر آکر ان سے کہنے لگا : أَخْبِرْنِي يَا أَبَا حَنْظَلَةَ عَنْ رَايِكَ فِيمَا سَمِعْتَ مِنْ مُحَمَّدٍ ؟ یعنی ابو حنظلہ ! سچ بتاؤ جو کلام تم سنتے رہے ہو اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے ؟ ابو سفیان سنتے ہی کہنے لگے : فَمَا تَقُوْلَ انتَ پہلے تم اپنا بتاؤ! اخنس کہنے لگا: آراد الْحَقَّ یعنی مجھے تو حق لگتا ہے۔ ابو سفیان (بات ٹال گئے اور) کہنے لگے : کچھ باتوں کی تو مجھے سمجھ آئی ہے جبکہ کچھ میں سمجھ نہیں سکا۔ اخنس یہاں سے فارغ ہو کر ابو جہل کے پاس آیا اور کہنے لگا: يَا آبَا الْحَكَمِ مَا رَأْيُكَ فِيمَا سَمِعْتَ مِنْ مُحَمَّدٍ ؟ اے ابو الحکم ! سچ بتاؤ ! تم نے جو کلام سنا ہے اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے ؟ جواباً ابو جہل نے اپنے ازلی بغض، حسد اور تکبر کا اظہار

کیا۔ جبکہ ایک روایت میں ہے کہ اخنس بن شریق اور ابو جہل کی آپس کلام سنا ہے اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے ؟ جواباً ابو جہل نے اپنے ازلی بغض، حسد اور تکبر کا اظہار کیا۔ جبکہ ایک روایت میں ہے کہ اخنس بن شریق اور ابو جہل کی آپس میں ملاقات ہوئی تو اخنس نے ابو جہل سے کہا: یہ تنہائی کی جگہ ہے اور یہاں کوئی ایسا نہیں جو میری تیری بات پر مطلع ہو سکے ، اب تو مجھے ٹھیک ٹھیک بتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) سچے ہیں یا نہیں ؟ ابو جہل نے کہا: خدا کی قسم ! بے شک وہ سچے ہیں، کبھی کوئی جھوٹا حرف ان کی زبان پر نہیں آیا مگر بات یہ ہے کہ یہ قصی کی اولاد ہیں ، حج اور خانہ کعبہ کے متعلق سارے اعزاز انہیں حاصل ہی ہیں، اب نبوت بھی انہیں میں ہو جائے تو باقی قریشیوں کے لئے کیا اعزاز رہ جائے گا ؟ اس لیے ہم کبھی بھی ان پر ایمان نہیں لائیں گے۔

سوال: کفار قریش نے مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر کیا کیا مظالم ڈھائے ؟

جواب: اسلام کی عَلَی الْاِعلان تبلیغ شروع ہوتے ہی ظلم وستم کی جاں سوز آندھیاں چل پڑیں ۔ کفارِ مکہ بنوہاشم کے انتقام اور جنگ کے خطرے کی وجہ سے اللہ کے آخری نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو شہید تو نہ کر سکے لیکن جتنا ہو سکا انہوں نے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔ آپ کو کاہن ، جادوگر ، پاگل ، دیوانہ کہتے اور آپ کی شانِ عظمت نشان میں گستاخانہ جملے بکتے ، پھبتیاں کستے ، کبھی کوڑا کرکَٹ اُچھالتے تو کبھی دروازۂ رحمت پر جانوروں کا خون ڈالتے کبھی راستوں میں کانٹے بچھاتے تو کبھی بدنِ انور کو نشانہ بناتے۔ ایک دفعہ جب آپ حرمِ کعبہ میں سجدہ کر رہے تھے تو اسی حالت میں عقبہ نامی ایک کافر نے مبارَک پیٹھ پر بچّہ دان (یعنی وہ کھال جس میں اونٹنی کا بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے) رکھ دیا ، کافر یہ منظر دیکھ کر ہنسنے لگے اور خوشی سے باؤلے ہو رہے تھے ، پھر حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور اس بچہ دان کو وہاں سے ہٹایا۔ ایک بار رسولِ رحمت و شفقت صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم حرمِ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ نامی ایک کافر نے آپ کے گلے میں چادر کا پھندہ ڈال کر اس زور سے کھینچا کہ آپ کا دم گھٹنے لگا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ منظر دیکھ کر آگے بڑھے اور اور اس کافر کو دھکا دے کر ہٹایا۔ بعد میں کافروں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر تشدد کیا۔

سوال: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ہونے والے ظلم و ستم کے واقعات بیان کریں۔

جواب: حضرت خباب رضی اللہ عنہ اس زمانے میں اسلام لائے جب صرف چند ہی آدمی مسلمان ہوئے تھے۔ قریش نے ان کو بے حد ستایا۔ یہاں تک کہ آگ کے انگاروں پر ان کو چِت لٹایا اور ایک شخص ان کے سینے پر پاؤں رکھ کر کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ ان کی پیٹھ سے پگھلنے والی چربی سے وہ کوئلے بجھ گئے۔ زندگی بھر ان کی پیٹھ پر ان کوئلوں کے داغ رہے۔ ایک بار حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں وہ داغ دیکھے تو ان کا دل بھر آیا اور رو پڑے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے گلے میں رسی باندھ کر بازاروں میں گھسیٹا جاتا۔ ان کی پیٹھ پر لاٹھیوں کی بارش کی جاتی ، دوپہر کے وقت تیز دھوپ میں گرم گرم ریت پر ان کو لٹا کر اتنا بھاری پتھر ان کی چھاتی پر رکھ دیا جاتا تھا کہ ان کی زبان باہر نکل آتی تھی۔ اس حال میں بھی یہ اَحَد اَحَد کے نعرے لگاتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حرمِ کعبہ میں خطبہ دینا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر مشرکین و کفار مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت صدیقِ اکبر کو اتنا مارا کہ ان کا چہرہ خون سے بھر گیا۔ ناک کان سب لہولہان ہوگئے اور ان کا چہرہ پہچان میں نہ آتا تھا۔ حضرت ابوبکر بیہوش ہو گئے اور دیر تک بیہوش رہے

سوال: ایمان والوں کو اکثر مصیبتوں اور آزمائشوں کا سامنا کیوں رہتا ہے ؟

جواب:اس کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ ایمان لانے والا اپنی جان ، مال اور عزت و غیرہ کا رب کریم کے ساتھ سودا کر لیتا ہے اور اس بات کا اقرار کر لیتا ہے کہ اس کی تمام خواہشیں اور تمنائیں رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شریعت کے تابع ہوں گی۔ اب اس راہ پر چلنے والے مومن و منافق، اپنے اور بیگانے سب ہو سکتے تھے ، اسی لیے انہیں مصیبتوں اور تکلیفوں سے آزمایا گیا کہ کھرے اور کھوٹے میں امتیاز ہو جائے۔

گیارہواں باب ہجرت حبشہ:

سوال: حبشہ کے اس وقت کے حکمران نجاشی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں ؟

جواب: حبشہ کے حکمران کو نجاشی کہتے تھے۔ اس وقت کے نجاشی کا نام اصحمہ (اص ، ح ، مہ) تھا۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کی اچھائی اور نرم مزاجی کی گواہی دی، یہ بعد میں ایمان لائے اور انہوں نے آپ کی طرف تحفے بھی بھیجے ، نو ہجری میں ان کے فوت ہونے پر آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کے لئے مغفرت کی دعا فرمائی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حضرت نجاشی کا جنازہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لئے ظاہر کر دیا گیا تھا آپ نے انہیں دیکھا اور نماز جنازہ پڑھائی۔

سوال: پہلی ہجرت کب، کہاں اور کیوں ہوئی ؟

جواب:اعلانِ نبوت کے پانچویں سال سن 615 عیسوی میں گیارہ مرد اور چار عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی علیہ السلام کو معلوم تھا کہ سر زمین حبشہ کا حکمران عادل، رحم دل اور نیک ہے،اس سے یہ خطرہ نہیں کہ وہ مسلمانوں کو ستائے یا انہیں پریشان کرے گا۔ اس ۔ لیے آپ نے مسلمانوں کو اپنے دین کی حفاظت کیلئے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت عطا فرمادی۔

سوال: ہجرت حبشہ کی چند حکمتیں بیان فرمائیں۔

جواب: ہجرت حبشہ کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس سے اسلام کی آفاقیت اور اس کے عالمگیر ہونے کا اظہار ہوتا ہے۔ اس دور میں عرب کے آس پاس کئی سلطنتیں موجود تھیں، مگر مصطفی جان رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عرب و عجم اور سیاہ و سفید کا فرق مٹا کر حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت عطا فرمائی۔اسی طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کیلئے دین اسلام نہ صرف ہر چیز سے عزیز تھا بلکہ وہ اس کیلئے ہر طرح کی قربانی دینے کیلئے تیار تھے۔ یہی وہ جذبہ تھا جو انہیں ایک اجنبی ملک لے گیا اور اسی جذبے نے دنیا و آخرت میں ان کیلئے کامیابیوں کے دروازے کھول دیئے

سوال: مہاجرین کے خلاف کافروں نے کیا سازش رچائی ؟

جواب: جب کافروں نے دیکھا کہ مسلمانوں نے ایک پناہ گاہ (رہنے کی جگہ) تلاش کر لی ہے اور وہاں چین کی زندگی گزار رہے ہیں تو ان سے برداشت نہ ہوا۔ ایک تو انہیں یہ افسوس تھا کہ وہ اتنے امن سے وہاں کیوں رہ رہے ہیں؟ دوسرا انہیں یہ پریشانی ہوئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان وہاں اپنی طاقت جمع کریں اور کچھ عرصے بعد ہم پر دھاوا بول دیں یوں انہوں نے کچھ تحائف کے ساتھ عمرو بن عاص " اور "عبد اللہ بن ربیعہ " جیسے ماہر اور ذہین افراد کو بادشاہ حبشہ کے دربار میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ یہ وہاں پہنچے اور تحفے دے کر بادشاہ کو سجدہ کر کے کہنے لگے : جہاں پناہ ! ہمارے کچھ مجرم بھاگ کر آپ کے ملک میں پناہ لے چکے ہیں، آپ انہیں ہمارے حوالے کر دیں۔ بادشاہ چونکہ انصاف پسند تھا اس لیے کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اس نے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا اور انہیں اپنی صفائی کا موقع دیا۔

سوال: شاہی دربار میں حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی تقریر کا کیا ثمرہ (اثر) ظاہر ہوا؟

جواب: حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر سن کر نجاشی بادشاہ نے کہا: بے شک انجیل اور قرآن ایک ہی سورج کی کرنیں اور ایک ہی چشمے کی موجیں ہیں۔ آپ لوگ یہاں آرام سے رہیں، جس نے بھی آپ کو ایذا (تکلیف) دی ہم اس پر تاوان (جرمانہ) لگائیں گے۔

بارہواں باب بائیکاٹ، عام الحزن، اور سفر طائف:

سوال: حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام کا واقعہ بیان کریں۔

جواب: یہ نبوت کے چھٹے سال سن 616 عیسوی کی بات ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم ایک روز کہیں جارہے تھے کہ ابو جہل راستے میں مل گیا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور شدید تلخ کلامی شروع کر دی، جو منہ میں آیا کہتا چلا گیا، مگر پیکر حلم و وقار نے اس یاوہ گوئی اور بد اخلاقی کا کوئی جواب نہ دیا، اس سے ابو جہل کے غصے کی آگ مزید بھڑک اٹھی، اس کے ہاتھ میں ڈنڈا تھا، اسی سے آپ کو ایذا دینا شروع کر دی،

یہاں تک کہ جسم نازک سے خون بہنے لگا، مگر اس پیکرِ تسلیم ورضا نے کمال صبر کا مظاہرہ فرمایا اور اف تک نہ کی ، ابو جہل دل کا غبار نکال کر وہاں سے چلتا بنا اور صحن حرم میں اپنے یاروں کی محفلوں میں جا بیٹھا، جبکہ آپ بھی خاموشی سے اپنے گھر تشریف لے گئے۔ ایک لونڈی نے یہ سارا واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، اسی روز حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حسب معمول جنگل سے شکار کر کے واپس لوٹے تو اس کنیز نے انہیں روک کر ابو جہل کی بد بختی اور ایذارسانی (تکلیف پہنچانے) کا سارا واقعہ سنایا۔ حضرت امیر حمزہ کو یہ سن کر سخت غصہ آیا، اسی وقت دوڑتے ہوئے حرم شریف پہنچے، ابو جہل اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا خوش گپیوں میں مصروف تھا، آپ اس کے سر پر جا پہنچے اور کوئی بات کئے بغیر اپنی کمان اس زور سے اس کے سر پر ماری کہ سر زخمی ہو گیا، پھر جلال بھرے لہجے میں اس سے فرمایا: تو نے میرے بھتیجے کو گالیاں دی ہیں اور بد اخلاقی کی ہے، حالانکہ جانتا نہیں کہ میں بھی انہی کے دین پر ہوں۔ ابو جہل اس شیر غراں (دھاڑ نے والے شیر) کا جلال و غضب دیکھ کر گھبراگیا، اس کے قبیلے کے لوگ حضرت حمزہ کی طرف بدلہ لینے کیلئے آگے بڑھے ، مگر ابو جہل جان گیا تھا کہ حضرت حمزہ کے مقابلے کا کوئی نہیں تو کہنے لگا: دَعُوا أَبَا عُمَارَةَ فَإِنِّي وَاللهِ لَقَدْ سَبَبْتُ ابْنَ أَخِيهِ سَبًّا قَبِيحًا یعنی انہیں جانے دو، یہ ٹھیک غصہ کر رہے ہیں، میں نے ہی ان کے بھتیجے کے ساتھ بد تمیزی کی ہے۔

رشتہ داری اور تعلق کے جوش پر یہ سب کچھ ہو گیا، مگر جب گھر واپس آئے اور غصہ ٹھنڈا ہوا تو پریشانی ہونے لگی کہ کیا کریں؟ بھتیجے کا دین قبول کریں یا ایسے ہی رہیں۔ جیسے تیسے رات بسر کی، صبح ہوئی تو مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی دلی بے چینی کا اظہار فرمایا۔ نبی علیہ السّلام نے توجہ فرمائی اور دین اسلام کی حقانیت کے بارے میں چند ارشادات فرمائے، جن کی تاثیر سے حضرت امیر حمزہ کے سارے حجابات (پر دے) اٹھ گئے ، شک اور شبہات کا سارا غبار دور ہو گیا اور دل کی دنیانور ایمان سے جگ مگ جگ مگ کرنے لگی۔ آپ کے ایمان لانے سے کفر کے ایوانوں میں زلزلہ آگیا اور کمزور مسلمانوں پر کافروں کے ظلم میں بڑی کمی آگئی۔ابھی حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کی خبر تازہ ہی تھی کہ کافروں پر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ایمان قبول کرنے کی خبر بجلی بن کر گری۔ حضرت فاروق اعظم حضرت امیر حمزہ کے قبول اسلام کے تین دن بعد عین حالت جوانی میں ایمان لائے۔

سوال: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام کا واقعہ بیان کریں، نیز ان کے قبول اسلام سے اہل ایمان کو کیا فائدہ حاصل ہوا؟

جواب: حضرت عمر کے ایمان قبول کرنے کا واقعہ بڑا مشہور ہے ، مختصر یہ کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کے قبول اسلام کی دعا فرمائی، دعا کی قبولیت کے اسباب یوں ہوئے کہ حضرت عمر معاذ اللہ آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کر کے گھر سے نکلے، راستے میں خبر ملی کہ بہن اور بہنوئی بھی مسلمان ہو چکے ہیں تو سخت غصے میں وہاں پہنچے، پہلے بہنوئی کو پیٹا پھر بہن کو مارا، مگر انہوں نے اسلام چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ یہ سن کر حیران ہوئے کہ آخر اس دین میں ایسا کیا ہے۔ کہنے لگے : مجھے بھی رب کا کلام پڑھاؤ! بہن نے کہا: پہلے غسل کرو! پاک صاف ہو جاؤ! غسل کے بعد جب کلام الٰہی پڑھا تو دل کی دنیا میں انقلاب پیدا ہو گیا، کہنے لگے: میں ایمان قبول کرنا چاہتا ہوں۔ ان دنوں نبی علیہ السّلام کی سر گرمیوں کا مرکز دارِ ارقم تھا، یہ لوگ وہاں پہنچے ، حضرت عمر کے وہاں پہنچنے سے کچھ مسلمان پریشان ہوئے مگر شیر خدا حضرت امیر حمزہ فرمانے لگے : عمر کو اندر آنے دو! اگر وہ اچھی نیت سے آئے ہیں تو ٹھیک، ورنہ خود ان کی تلوار سے ان کا سر قلم کر دیں گے۔ دروازہ کھولا گیا، حضرت عمر آئے اور ایمان لانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس غیر متوقع خبر نے سب مسلمانوں کو خوش کر دیا، نعرہ تکبیر سے مکہ کی فضا گونج اٹھی۔ اسلام لانے کے بعد انہی کے اصرار پر اہل ایمان کی جماعت اس شان سے باہر نکلی کہ ایک طرف حضرت حمزہ چل رہے تھے اور دوسری طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہا۔ کافروں نے جب یہ منظر دیکھا تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی ، کل تک جو اسلام کے دشمن تھے آج وہی سب سے بڑے محافظ بن گئے تھے۔ مسلمانوں کو حرم پاک میں عبادت کی آزادی چونکہ حضرت عمر کے طفیل ملی تھی اس لیے مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے آپ کو فاروق (حق و باطل میں فرق کرنے والے) کا خطاب عطا فرمایا۔

سوال: کفار قریش نے تبلیغ اسلام روکنے کے لئے کیا سازشیں چلیں؟

جواب: جب قریش کے مشرکین کو احساس ہو گیا کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اکیلا نہیں

چھوڑیں گے تو انہوں نے اپنی ناکامی چھپانے کیلئے بنو ہاشم و بنو عبد المطلب کا سماجی اور معاشی بائیکاٹ کر دیا اور اعلان کر دیا کہ جب تک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو قریش کے حوالے نہیں کر دیتے وہ نہ ان کے ساتھ بیٹھیں گے ، نہ ان کے ساتھ لین دین رکھیں گے اور نہ ان کے گھر جائیں گے۔ انہوں نے اپنی اس ناپاک سازش کیلئے باضابطہ دستاویز بنائی اور اس میں یہ سب کچھ لکھ دیا اور ساتھ یہ بھی لکھا کہ بنو ہاشم کے ساتھ کوئی صلح صفائی کی گنجائش نہیں اور نہ ان کے ساتھ کوئی نرمی ہو گی۔ مشرکین قریش میں سے سب نے ان شرائط کی پابندی کا وعدہ کیا اور پھر کعبہ شریف کے اندر اس دستاویز کو آویزاں کر دیا۔

سوال: بنو ہاشم کے بائیکاٹ کی وجہ کیا بنی، نیز یہ بائیکاٹ کتنا عرصہ رہا؟

جواب: کفار قریش نے بنو ہاشم سے بائیکاٹ اس لیے کیا کیونکہ بنو ہاشم کے سردار حضرت ابو طالب نے اپنے بھتیجے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت جاری رکھی تھی اور انہیں کفار قریش کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی تھی جس کی وجہ سے قریش کے سردار اپنی سرداری اور اپنے آبائی مذہب کو خطرے میں محسوس کر رہے تھے۔

نبوت کے ساتویں سال (617 عیسوی کے) محرم شریف کے شروع میں اس محاصرے کا آغاز ہوا اور دسویں سال مسلمان شعب سے باہر نکلے۔ اس طرح پورے تین سال شعب ابی طالب کے اس دردناک ماحول میں بسر ہوئے۔

سوال: طائف کے سرداروں نے پیارے آقا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟

جواب: شہر طائف پہنچ کر کچھ دن آرام کے بعد وہاں کے تمام سرداروں کے پاس گئے ، ان سے بات چیت کی اور دعوتِ اسلام پیش کی مگر کسی نے بھی لبیک نہ کہا۔ گھر گھر دعوت دینے کا یہ سلسلہ تقریبا دس دن یا ایک ماہ تک جاری رہا لیکن وہاں کے کسی فرد کو یہ دعوت قبول کر کے اپنا مقدر سنوارنے کی توفیق نہ ملی۔ آخر کار آپ طائف کے سب سے بڑے سرداروں کے پاس تشریف لے گئے۔ یہ تین سردار تھے ، ایک کا نام عبدیالیل تھا اور دو اس کے بھائی مسعود اور حبیب۔ آپ نے انہیں دعوتِ اسلام دی ، بجائے اس کے کہ وہ دعوتِ حق

قبول کر کے حضور کی غلامی اختیار کرتے انہوں نے بد اخلاقی کا مظاہرہ کیا اور آپ کا مذاق اڑایا۔ ساتھ میں فرعونیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: اُخْرُجُ مِنْ بَلَدِنَا یعنی ہمارے شہر سے نکل جاؤ! آپ وہاں سے اٹھ آئے۔آپ کے وہاں سے چلے آنے کے بعد بھی ان سرداروں کو تسلی نہیں ہوئی، انہوں نے بد معاش اور شریر لوگ آپ کے پیچھے لگا دیئے جو جلوس کی شکل میں اکٹھے ہو کر پھبتیاں کستے (مذاق اڑاتے) ، نازیبا جملے کہتے اور اپنے بتوں کے نعرے لگاتے ہوئے آپ پر پتھر برسانے لگے۔ انہوں نے آپ کے نرم و نازک قدموں کو نشانہ بنایا، آپ چلتے ہوئے جو پاؤں مبارک نے ٹھک سے اس پر پتھر آن لگتا، حضور اسے اٹھاتے اور دوسرا پاؤں مبارک رکھتے تو اس پر بھی پتھر آلگتا۔ ان ظالموں نے اتنے پتھر مارے کہ پاؤں مبارک زخمی ہو گئے ، خون اتنا بہا کہ مبارک جوتے خون سے بھر گئے۔

تیرہواں باب بیعت عقبہ اولیٰ و ثانیہ

سوال: بیعت عقبہ اولیٰ و ثانیہ کب اور کہاں ہوئی ؟ اور اسے بیعت عقبہ کیوں کہتے ہیں ؟

جواب: اعلانِ نبوت کے بارہویں (12th) سال حج کے موقع پر مدینہ کے مزید 12 افراد منیٰ کی گھاٹی میں چھپ کر اسلام لائے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ تاریخِ اسلام میں اس بیعت کو " بیعتِ عقبہ اولیٰ " (گھاٹی کی پہلی بیعت) کہتے ہیں۔

اس بیعت کے ایک سال بعد یعنی اعلانِ نبوت کے تیرہویں (13th) سال حج کے موقع پر مدینہ کے تقریباً 72 افراد نے منیٰ کی اسی گھاٹی میں اپنے بت پرست ساتھیوں سے چھپ کر اللہ کے آخری نبی صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم کے مبارک ہاتھ پر بیعت کی اور یہ عہد کیا کہ ہم لوگ آپ کی اور اسلام کی حفاظت کے لئے اپنی جان اور مال سب قربان کر دیں گے۔

اس بیعت کو بیعتِ عقبہ اس وجہ سے کہتے ہیں کیونکہ یہ بیعت منیٰ کی پہاڑی میں عقبہ کے قریب ہوئی جسے جمرۃُ العقبہ بھی کہتے ہیں۔

سوال: عکاظ، مجنہ اور ذی المجاز کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

جواب: **سوق عکاظ** (Souk Okaz) طائف کے قریب واقع ایک پرانا بازار ہے۔ یہ اسلام سے پہلے ہی بڑا مشہور تھا، آجکل یہ ایک سیاحتی مقام ہے۔ یہ طائف ایئر پورٹ سے بائی روڈ تقریباً 14 اور مکہ شریف سے تقریباً 124 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہ بازار ذو القعدہ کے مہینے میں لگایا جاتا تھا۔ اہل عرب کیلئے یہ بازار سے بڑھ کر ایک مرکز کی حیثیت رکھتا تھا جہاں ان کے قبائلی فیصلے ہوتے، قوانین بنائے جاتے، نئے معاہدے ہوتے، مرکزی اعلانات ہوتے، شعر و شاعری خطابت اور کھیلوں کے مقابلے بھی ہوتے تھے۔ بعد میں خوارج نے یہ بازار تباہ کر دیا۔

سوق مجنہ (م، بج، نہ) زمانہ جاہلیت میں حج کے موقع پر لگایا جانے والا مشہور بازار ہے۔ ذوالقعدہ کے ابتدائی بیں دن سوق عکاظ میں گزارنے کے بعد اہل عرب بقیہ دس دن سوق مجنہ میں گزارتے تھے۔ ذوالحج کا چاند نظر آتے ہی وہ یہاں سے سوق ذی المجاز کی طرف چلے جاتے تھے۔

سوق ذی المجاز (Souk Zel majaz) مکہ میں جبل گب گب کے دامن میں واقع تھا، یہ مکہ شریف سے 22 عرفات سے 13 اور حدود حرم سے 10 کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ عکاظ اور مجنہ کے بازاروں کے بعد یہ بازار ذوالحج کے ابتدائی آٹھ دن لگتا تھا، اس کے بعد اہل عرب عرفات کو حج کیلئے چلے جاتے تھے شاید اس لیے اس کا نام "ذی حج تھے المجاز" پڑ گیا۔ یہ بازار بھی انہی سر گرمیوں کا مرکز تھا جو عکاظ و مجنہ میں ہوتی تھیں

سوال: معراج مصطفی اور اس کی کچھ حکمتیں بیان فرمائیں؟

جواب: مشہور قول کے مطابق اسی سال یعنی اعلان نبوت کا گیارہواں سال اور (621 عیسوی) تھا، رجب شریف کی 27 تاریخ تھی، پیر کی سہانی رات تھی جب تمام نبیوں کے سردار، اللہ کے محبوب، جناب احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو حالت بیداری میں جسمانی معراج ہوئی۔ اس سفر کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ رات کے تھوڑے سے حصے میں جسم اقدس کے ساتھ پہلے بیت المقدس تشریف لے گئے جہاں تمام انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے ملاقات فرمائی، نماز میں انبیا علیہم السلام کی امامت کروائی، پھر وہاں سے آسمانوں، جنت و دوزخ،

عرش و کرسی وغیرہ کی سیر کرتے ہوئے لامکاں تشریف لے گئے، جہاں سر کی آنکھوں سے رب کریم کا دیدار فرما کر واپس تشریف لائے۔ یہی وہ سفر ہے جس میں رب کریم نے آپ کو پانچ نمازوں کی فرضیت کا تحفہ عطا فرمایا۔

معراج کی حکمتیں: (ا)رات کے تھوڑے سے حصے میں اتنے طویل سفر اور پیش آنے والے عظیم الشان واقعات کی طرف نظر جائے تو حیرت سے آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں کہ یہ سب کیسے ہوا؟ لیکن نظر اس طرف جائے کہ یہ سیر کروانے والی ذات قادر و قدیر ہے تو شکوک و شبہات کے سارے جالے ختم ہو جاتے ہیں اور ایمان و ایقان کی ٹھنڈک سے دل کو تسکین (راحت) ملتی ہے۔ (2) معجزۂ معراج ان عظیم واقعات سے ہے جو اللہ پاک نے مشکل حالات کے بعد آپ کو عزت و تکریم سے نوازنے کیلئے عطا فرمائے۔ اب تک قریش کی طرف سے آپ کو کئی طرح کی تکلیفیں دی گئیں، بالخصوص سفر طائف کے موقع پر پیش آنے والی مصیبتیں اور الم بالکل تازہ تھے ان کے بعد اسراء و معراج شریف جیسی عظیم الشان ضیافت (مہمان نوازی) کا اہتمام ہوا، جو اللہ پاک کی طرف سے آپ کی عزت و تکریم اور آپ کی ثابت قدمی پر انعام تھا۔

سوال: انصار اشاعت اسلام کا سبب کیوں بنے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ مصطفی جان رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پہلے مددگار اور معاون ان کی اپنی قوم سے نہ ہوں، یہی بات قرین قیاس (عقل کے قریب) ہے۔ تاکہ کوئی بھی یہ نہ سوچے کہ آپ کی دعوت صرف ایک قوم یا ایک علاقے تک تھی، اسی وجہ سے وہی قوم آپ پر ایمان لائی اور اسی کے دوش اور سہارے سے دوسری قومیں ایمان کی راہ پر گامزن ہوئیں۔

سوال: انصار سے دوسری بیعت کن باتوں پر لی گئی؟ بدلے میں انہیں کیا ملا؟

جواب: (1) مستعدی اور بے ہمتی کی سب حالتوں میں تم بات سنو گے اور فرماں برداری کرو گے۔ (2) تنگی اور خوشحالی دونوں حالتوں میں مال خرچ کرو گے۔ (3) نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے منع کرو گے۔ (4) تم رب کریم کیلئے گفتگو کرو گے اور راہ خدا میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرو گے۔ (5) تم میری مدد و معاونت کرو گے اور جب میں تمہارے پاس آؤں تو تم ہر اس چیز سے میر ادفاع کرو گے جس سے

تم اپنا اور اپنے گھر والوں (آل اولاد) کا دفاع کرتے ہو۔ (6) اگر تم بیعت پوری کرو گے تو تمہارے لیے جنت ہے۔

سوال: انصار کے بارہ نقیبوں کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ ان کا تقرر کیوں ہوا؟

جواب: مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انصار میں بارہ نقیب (سردار) مقرر فرمائے، نو خزرج اور تین اوس کے قبیلے سے۔ان کا تقرر اس وجہ سے ہوا کہ دعوتِ اسلام کو منظم کرنے کے لیے، مدینہ میں اسلامی تعلیمات پھیلانے کے لیے، ہر قبیلے کی نمائندگی اور نگرانی کے لیے، نئے مسلمانوں کی تربیت اور رہنمائی کے لیے۔

چودہواں باب ہجرت مدینہ:

سوال: صحابہ کرام علیہم الرضوان کی مدینے کو ہجرت کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

جواب: صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حکم سے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ یہ در حقیقت اہل و عیال، گھر بار، مال و متاع سب سے ہاتھ دھونا، محض جان بچا کر اجنبی شہر کی طرف جانا، پھر طویل سفر، دشمنوں کا خوف، ایسے میں جان بھی جاسکتی ہے، لیکن جو بازار نبی میں بک گئے ہوں وہ ایسی چیزوں کی پروا کیسے کریں؟ چنانچہ جسے موقع ملتا وہ مدینے کی طرف ہجرت کر جاتا۔ جو چپکے سے مدینے شریف کی طرف نکل جاتے وہ تو عافیت میں رہتے لیکن جن کی روانگی کی بھنک بھی کافروں کو پڑ جاتی انہیں پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

سب سے پہلے ہجرتِ مدینہ کی سعادت پانے والے صحابی حضرت ابو سلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد مخزومی رضی اللہ عنہ ہیں انصاری صحابی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ ہجرت کی داستان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں سب سے پہلے جو صحابہ ہمارے پاس پہنچے وہ (1) حضرت مصعب بن عمیر اور (2) حضرت ابن ام مکتوم تھے، وہ دونوں لوگوں کو قرآن پڑھانے لگے پھر جناب (3) عمار و (4) بلال اور (5) سعد آگئے پھر حضرت عمر بن خطاب ہیں (20) صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ آپہنچے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تشریف لائے۔

سوال: کافروں نے "دارالندوہ" کے اجلاس میں کیا فیصلہ کیا تھا؟

جواب: کفارِ مکہ کے بڑے بڑے سرداروں نے " دارُ لندوہ " میں ایک مشورہ کیا۔ کفار کے تمام بڑے بڑے دانشور اس اجتماع میں شریک تھے۔ مختلف تجاویز دی گئیں جن میں سے ابوجہل کی دی گئی تجویز پر سب کا اتفاق ہوا۔ اس کا مشورہ یہ تھا ہر قبیلے سے ایک ایک جوان کو تلوار دی جائے وہ سب ایک ساتھ آپ پر حملہ کر کے مَعَاذَ اللہ آپ کو شہید کر دیں۔ تمام قبائل کے لوگ اس میں شریک ہوں گے تو بنوہاشم کسی سے بھی جنگ نہ کر سکیں گے اور خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے۔ سب نے اس بات پر اتفاق کیا اور ان کی مجلس ختم ہوگئی۔ حضرت جبریل امین اللہ کریم کا حکم لے کر نازل ہو گئے اور اس واقعے کی خبر دی اور کہا کہ آج رات آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں اور ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے جائیں۔

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مکہ شریف سے محبت کا اظہار کیسے فرمایا؟

جواب: جب قوم نے آپ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تو آپ بڑے افسردہ تھے ، جب اس مقدس شہر سے باہر نکل رہے تھے تو ایک ٹیلے پر کھڑے ہو اپنے دکھ کا اظہار ایسے فرمایا: ما أطيبكِ مِنْ بلَدٍ، وَأَحبَّكِ إِلَى، وَلَوْلَا أَنَّ قَوْمي أَخْرَجُوني مِنْكِ ما سَكَنْتُ غَيْرَكِ یعنی اے مکہ ! تو کتنا پاکیزہ شہر ہے! اور تو مجھے کتنا پیارا ہے! اگر میری قوم نے مجھے یہاں سے نہ نکالا ہوتا تو میں تیرے علاوہ کہیں بھی ہر گز نہ رہتا۔

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حفاظت کیلئے غار میں قدرتی انتظامات کیا ہوئے؟

جواب: غار کے دہانے پر مکڑی کا جالا تنا ہوا تھا جو پورے کا پورا سالم تھا، پھر کبوتری کا گھونسلا تھا ، جہاں وہ اطمینان سے بیٹھی تھی یہ دونوں انتظامات قدرت کی طرف سے تھے ۔

سوال: ہجرت مصطفیٰ کے کوئی سے دو سبق بیان کریں؟

جواب: (1)اس سفر کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سفر کیلئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا، اسی لیے باقی صحابۂ کرام کو ہجرت کی اجازت دی مگر انہیں اپنے پاس

روکے رکھا۔ یوں آپ کے ساتھ ہجرت کا شرف صرف حضرت ابو بکر کو حاصل ہوا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو حضرت ابو بکر سے بہت محبت تھی اور وہ تمام صحابہ میں آپ کے سب سے زیادہ قریب تھے۔ آپ کے ظاہری وصال کے بعد وہ اسی قرب کی وجہ سے آپ کے خلیفہ بلا فصل بنے۔

(2) ہجرت کے وقت اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہجرت کے سفر میں وہ تمام مادی ذریعے اور وسائل استعمال فرمائے جن کا تقاضا تھا۔ قلبی طور پر خوف و غم سے محفوظ تھے، اس کے باوجود آپ نے یہ اس لیے کیا کہ آنے والی امت کیلئے یہ رویہ مشعل راہ بن جائے اور وہ بھی اس کی اقتدا کریں۔ اپنے کاموں میں اسباب پر توجہ دیں کیونکہ یہی رب کریم کی سنت ہے کہ اسباب کے ذریعے ہی نتائج ظاہر فرماتا ہے۔ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ اس سفر میں جب بھی اسباب ختم ہوئے تب بھی آپ بالکل مطمئن اور بے خوف رہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک مرحلے پر ضرور خوف و غم لاحق ہوا مگر آپ بالکل مطمئن رہے اور آپ کی برکت سے ان سے بھی خوف زائل (ختم) ہو گیا اور ان کا دل اطمینان و سکون سے بھر گیا۔

پندرہواں باب یکم تا تین ہجری کہ واقعات:

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قبا تشریف لانے کا منظر بیان کریں؟

جواب: اللہ کے آخری نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی آمد کی خبر اہلِ مدینہ کو مل چکی تھی اور وہ ان کیلئے دیدہ و دل فرشِ راہ کئے ہوئے تھے، مدینہ کی خواتین اور بچوں تک کی زبانوں پر آپ کی آمد کا ذکر ہوتا۔ مکہ شریف سے مدینہ کی مسافت عموماً 12 دن میں طے ہوتی تھی، یہ دن تو انہوں نے انتظار کرتے ہوئے گزار دیئے۔ اس کے بعد ان سے رہا نہ گیا اور وہ اپنے شوق کی تکمیل کیلئے بے قرار ہو کر اجتماعی شکل میں اپنے آقا کے استقبال کیلئے مدینہ سے باہر ایک میدان میں جمع ہوجاتے اورجب دھوپ تیز ہو جاتی تو حسرت کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاتے۔ ہر نئے دن ان کا یہی معمول تھا کہ نئے عزم و یقین کے ساتھ آتے اور راستے میں سراپا شوق بن کر استقبال کیلئے کھڑے ہو جاتے۔ ایک دن اپنے معمول کے مطابق اہلِ مدینہ آپ کی راہ دیکھ کر

واپس جا چکے تھے۔ اچانک ایک یہودی نے اپنے قلعہ سے دیکھا کہ کچھ افراد کا قافلہ آرہا ہے تو وہ سمجھ گیا اور اس نے زور سے پکار کر کہا: اے مدینہ والو! تم جس کا روزانہ انتظار کرتے تھے وہ کاروانِ رحمت آگیا۔ یہ سن کر تمام انصار بدن پر ہتھیار سجا کر خوشی کے عالم میں اللہ کے آخری نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا استقبال کرنے کے لئے اپنے گھروں سے نکل پڑے ۔ مدینہ شریف سے تین میل کے فاصلہ پر جہاں آج ''مسجدِقبا'' ہے آقا کریم عَلَیْہِ السَّلَام وہاں 12 ربیع الاول کو تشریف لائے اور قبیلۂ عمرو بن عوف وہ خوش بخت قبیلہ تھا جسے سرکارِ دوعالم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے سب سے پہلے اپنی میزبانی کا شرف بخشا۔ اس قبیلے کے ایک سردار حضرت کلثوم بن ہِدْم رضی اللہ عنہ کے مکان میں آپ نے قیام فرمایا۔ اکثر صحابۂ کرام جو پہلے ہجرت کرکے مدینہ منورہ آئے تھے وہ لوگ بھی اس مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی قریش کی امانتیں لوٹا کر کچھ دن بعد مکہ سے چل پڑے تھے اور وہ بھی اسی مکان میں قیام فرما ہوئے۔

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مدینے میں میزبانی کی سعادت کسے حاصل ہوئی؟

جواب: قبیلۂ عمرو بن عوف وہ خوش بخت قبیلہ تھا جسے سرکارِ دوعالم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے سب سے پہلے اپنی میزبانی کا شرف بخشا۔

سوال: مسجد نبوی اور اس کے ساتھ جو حجرے تعمیر کئے گئے، ان پر ایک نوٹ لکھیں؟

جواب: اللہ کے آخری نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی قیام گاہ کے قریب ہی "بنو نجار" کا ایک باغ تھا۔ اس کی زمین اصل میں دو یتیموں کی تھی آپ نے ان دونوں یتیم بچوں کو بلایا، انہوں نے زمین مسجد کے لئے نذر کرنی چاہی مگر اللہ کے آخری نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے اسے پسند نہیں فرمایا اور حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ کے مال سے آپ نے اس کی قیمت ادا فرمائی۔ زمین ہموار کرکے خود آپ نے اپنے دست مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی اور کچی اینٹوں کی دیوار اور کھجور کے ستونوں پر کھجور کی پتیوں سے چھت بنائی جو بارش میں ٹپکتی تھی اس مسجد کی تعمیر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے ساتھ خود رَسُولُ اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم بھی اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔

حجروں کی تعمیر: مسجد کی تعمیر کے ساتھ آپ کی ازواج کیلئے حجرے بھی تیار کئے گئے۔ یہ حجرے حسب ضرورت تعمیر ہوتے رہے، پہلے ہجری سال میں دو حجرے تعمیر ہوئے۔ مسجد شریف اور حجرے سادگی کا نمونہ تھے ، فرش مٹی کا ، دیواریں پتھروں کی جن پر مٹی کا لیپ، جبکہ چھت کھجور کے پتوں کی، تنوں میں کھجور کے شہتیر استعمال ہوئے۔ یوں یہ حجرے ظاہری اعتبار سے بڑے سادہ تھے مگر عظمت و برکت کے اعتبار سے روئے زمین پر سب سے زیادہ بابرکت و پر رونق تھے۔

سوال: رشتہ اخوت قائم کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟ کوئی سی دو وجوہات بیان کریں۔

جواب: مصطفی جان رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو اب صورت حال یہ ہو گئی کہ کئی طرح کے لوگ ایک ساتھ جمع ہو گئے۔ یہ وہ دور تھا جس میں قبائلی ، علاقائی اور لسانی عصبیت اپنے عروج پر تھی۔ اب کچھ مسلمان خزرج اور کچھ اوس سے تعلق رکھتے تھے، کچھ مہاجر تھے تو کچھ یہودیت چھوڑ کر راہ راست پر آئے تھے۔ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ اب مسلمانوں کو ایک ایسی ڈور میں جوڑا جائے جس کی بنیاد نسل، رنگ، زبان اور علاقے وغیرہ سے ماورا ہو اور یہ رشتہ ایسا پختہ ہو کہ سب باہم شیر و شکر ہو جائیں۔

ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مہاجرین چونکہ محض رضائے الہی کیلئے گھر بار ، مال و جائیداد وغیرہ سب چھوڑ کر مدینہ آگئے تھے ، اب یہاں نہ ان کے پاس مال تھا نہ اسباب۔ ایسے میں مہاجرین و انصار میں مسائل نہ ہو جائیں اس کے حل کیلئے آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ مہاجرین اور انصار کو بلایا اور ایک جگہ جمع کر کے ان سے فرمایا: تَآخُوا فِي اللہِ أَخَوَيْنِ أَخَوَيْنِ یعنی اللہ کی رضا کیلئے آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ! اس طرح آپ نے ہر مہاجر کو کسی نہ کسی انصاری کا بھائی بنا دیا۔ آپ کے اس اقدام کی برکت سے مہاجرین و انصار کے درمیان اجنبیت کی دیواریں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے فنا ہو گئیں۔ اس رشتے کی برکت سے انصار اپنے خونی رشتہ داروں کی طرح اپنے مہاجر بھائیوں کا خیال رکھتے تھے۔

سوال: مسلمان بیت المقدس کو قبلہ بنا کر نماز کیوں پڑھتے تھے ؟ نیز قبلہ کیوں تبدیل ہوا؟

جواب: مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔یہی اس وقت اہل کتاب کا قبلہ تھا۔ غالباً اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ مشرکین کی بنسبت اہل کتاب کی تعلیمات میں کہیں نہ کہیں وحی کا نور موجود تھا۔ ہو سکتا ہے یہ حکمت بھی رہی ہو کہ بیت المقدس کی طرف رخ کرنے میں اہلِ کتاب مانوس ہوں اور اسلام کی طرف راغب ہوں گے۔ بہر حال اسی طرح نماز پڑھتے پڑھتے سترہ ماہ گزر گئے ، اب حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خواہش تھی کہ آپ کے غلاموں کا قبلہ بھی بیت اللہ شریف قرار دیا جائے۔

سوال: آذان کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی؟

جواب: شروع میں حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو نماز کیلئے بلایا کرتے تھے پھر حضرت عبداللہ بن زید انصاری اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے خواب میں اذان کے الفاظ سنے۔ آپ کے حکم سے حضرت عبداللہ بن زید نے وہ الفاظ حضرت بلال کو سکھائے اور وہ اذان دینے لگے۔ اسی دن سے شرعی اذان کا طریقہ شروع ہوا جو آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

سوال: مسلمانوں کے مدینہ چلے جانے کے بعد قریش مکہ نے انہیں کیسے پریشان کئے رکھا؟

جواب: مسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ آ گئے اب چاہیے تو یہ تھا کہ مکہ کے کفار اب اطمینان سے بیٹھے رہتے مگر ان کا غصہ مزید بڑھ گیا۔ اب یہ لوگ اہلِ مدینہ کے بھی دشمن ہو گئے۔ انصار کے رئیس عبداللہ بن ابی کے پاس انہوں نے خط لکھا کہ تم مسلمانوں کو مدینہ سے نکال دو ، یا تم ان کو قتل کر دو ورنہ ہم تم پر حملہ کر کے تمہیں اپنی تلواروں کا مزہ چھکائیں گے۔ اسی طرح قبیلہ اوس کے سردار جب عمرہ کرنے مکہ گئے تو انہیں بھی مکہ کے کافروں نے دھمکیاں دیں۔ کافروں نے صرف دھمکیوں پر بس نہیں کیا بلکہ مدینہ شریف پر حملے کی باقاعدہ تیاریاں شروع کر دیں۔ انہوں نے تمام قبائل میں یہ بات پہنچا دی کہ ہم مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو ختم کر دیں گے

سوال: غزوہ اور سریہ کسے کہتے ہیں؟ ان کی تعداد کیا ہے ؟ کوئی سے دس غزوات اور سرایا کے نام بتائیں ؟

جواب: وہ جنگی لشکر جس میں اللہ کے آخری نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم بذاتِ خود تشریف لے جاتے اسے " غَزْوَۃ " کہتے ہیں۔ جبکہ وہ لشکر جس میں آپ شامل نہیں ہوئے اسے " سَرِیَّۃ " کہتے ہیں۔ غزوہ کی جمع " غزوات " اورسریہ کی جمع " سَرَایا " آتی ہے۔

غزوات و سرایا کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے ، امام بخاری کی روایت کے مطابق غزوات کی تعداد 19 ہے۔ ان میں سے صرف 9 ایسی غزوات ہیں جن میں جنگ کی نوبت پیش آئی جبکہ اکثر ایسی تھیں جن میں لڑائی کی ضرورت ہی نہ ہوئی۔ جبکہ سرایا کی تعداد 47 یا 56 ہے۔

غزوات: 1.غزوہ بدر 2. غزوہ احد 3. غزوہ خندق (احزاب)4. غزوہ خیبر 5.غزوہ تبوک

سریہ 1. سریہ عبیدہ بن حارث 2. سریہ حمزہ بن عبدالمطلب 3. سریہ زید بن حارثہ (قردہ کی طرف) 4. سریہ سعد بن ابی وقاص 5. سریہ عبد اللہ بن جحش

سوال: غزوہ بدر کے بارے میں ہونے والی مشاورت میں انصار صحابہ کے جذبات کیا تھے ؟

جواب: انصار کے ایک معزز سردار حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے کا ایسے اظہار کیا: یارسول اللہ ! ہم قوم موسیٰ نہیں جنھوں نے اپنے نبی سے کہا تھا: تم اور تمہارا رب جاکر لڑو ! ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ ہم تو یہ کہیں گے کہ چلیں اور جنگ کریں! ہم ہر طرف سے آپ کی حفاظت کریں گے اور ہر طرف سے آپ پر اپنی گردنیں بھی قربان کریں گے اور سر بھی کٹائیں گے۔

سوال : رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے تعلق،خدمت گزاری اور وفاداری پر مضمون لکھیں؟

جواب: حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، پہلے انہوں نے پوچھا کہ کیاآپ ہم انصار کی رائے جاننا چاہتے ہیں ؟ ارشاد ہوا : بے شک۔ یہ سن کر وہ گویا ہوئے: فَصِلُ حِبَالَ مَنْ شِئْتَ، وَاقْطَعْ حِبَالَ مَنْ شِئْتَ، وَسَالِمْ مَنْ شِئْتَ، وَعَادِ مَنْ شِئْتَ، وَخُذْ مِنْ أَمْوَالِنَا مَا شِئْتَ یعنی آپ جس سے چاہیں تعلق رکھیں ! جس سے چاہیں

تعلق توڑیں! جس سے چاہیں صلح کریں! جس کو چاہیں دشمنوں کی صف میں داخل کریں ! ہمارے مالوں میں سے جو چاہیں قبول فرمالیں!" ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ یہ سن کر آپ خوب مسکرائے اور بے حد خوش ہوئے۔ اور فتح کی خوش خبری عطا فرمائی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ انصار و مہاجرین دونوں کو نکلنے کا فرمایا، آپ کی بات پر لبیک کہتے ہوئے مہاجرین و انصار سب تیار ہو گئے۔ انصار چونکہ پہلی دفعہ جارہے تھے اس لیے انہوں نے بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیا۔

سوال : غزوہ بدر اور غزوہ احد سے کیا کیا درس ملتے ہیں ؟

جواب: غزوہ بدر کا سب سے پہلا سبق یہی ہے کہ اسلحہ، لشکر کی کثرت اور سامانِ حرب کی فراوانی و غیرہ سب ثانوی چیزیں ہیں۔ اگر اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے سچی وفا اور عشق و محبت کا جذبہ دل میں ہو تو کمزور اور ناتواں لشکر بڑی بڑی فوجوں کو پچھاڑ سکتے ہیں۔ آج اسی جذبے کو دوبارہ سے پروان چڑھانے کی ضرورت ہے۔ایک سبق یہ بھی ہے کہ غزوہ بدر کے اس واقعے میں کئی مقامات پر اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مشورے کئے اور ان کے مشوروں پر عمل کیا۔ بلکہ کئی مقامات پر صحابہ کرام علیہم الرضوان نے خود آگے بڑھ کر مشورے پیش کئے جنہیں آپ نے قبولیت سے نوازا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لیڈر اور قائد کو ہر اہم اقدام اپنے ساتھیوں کے مشورے سے کرنا چاہیے۔ نیز باہمی ماحول بھی ایسا ہونا چاہیے کہ عظیم ترین لیڈر کو بھی اس کے ساتھی بلا جھجک مشورے دے سکیں۔

غزوہِ احد کہ اسباق:

اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم میدانِ جنگ میں بعد میں تشریف لائے لیکن جنگ کیلئے لشکر کی ترتیب ایسے قائم فرمائی کہ جنگی نکتہ نظر سے اس سے بہتر کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ پہاڑ کی بلندیوں کی اوٹ لے کر آپ نے لشکر کی پشت اور دایاں بازو محفوظ کر لیا، لشکر کے مرکزی کیمپ کیلئے پیچھے کی طرف ایک اونچی جگہ کا انتخاب فرمایا کہ اگر دشمن کیمپ پر قبضے کی کوشش کرے تو اسے شدید نقصان کا سامنا کرنا پڑے۔ بائیں طرف سے حملے کا اندیشہ تھا تو ایک تیر انداز دستے کو حکم فرماتے ہیں کہ وہ فلاں پہاڑی پر چلا جائے اور کسی بھی حال

میں اپنی جگہ نہ چھوڑے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم جنگ کے امور میں بھی بے پناہ مہارت رکھتے تھے۔ گویا آپ پہلے سے جان گئے تھے دشمن کی چالیں کیا ہیں اور ان کو کس طرح ناکام کیا جا سکتا ہے۔

(2) دیکھا جائے تو یہ جنگ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ جنگ کے ابتدائی حصے میں مسلمان اپنے سے چار گنا بڑے لشکر کو دھول چٹاتے ہیں اور دشمن کا تین ہزار کا لشکر سات سو مجاہدین اسلام کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوتا ہے۔ جبکہ جنگ کے دوسرے حصے میں دیکھا جائے تو پہاڑی پر مقرر چند مجاہدین کی وجہ سے پورے لشکر کو آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات گرامی کو بھی تکلیف پہنچائی گئی۔ اس سے ایک درس یہ ملتا ہے کہ اللہ پاک اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے احکام ماننے میں ہی دین و دنیا کی بھلائیاں پوشیدہ ہیں۔ اگر ان سے انحراف کیا جائے گا تو کامیابیاں منہ موڑ لیں گی اور ناکامیاں مقدر بن جائیں گی۔

سولھواں باب غزوہِ احد کہ بعد سے صلح حدیبیہ تک:

سوال : حضرت خبیب اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعے کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں ؟

جواب: ان دونوں کو کافروں نے مکہ جاکر فروخت کر دیا۔ مکے کے کافروں نے انہیں اس لیے خریدا کہ انہیں قتل کر کے اپنے مقتولین کا بدلہ لے کر انتقام کی آگ ٹھنڈی کر سکیں۔ انہوں نے پہلے تماشائیوں کو جمع کیا پھر انہیں الگ الگ سولی پر چڑھا کر اذیتیں دے دے کر شہید کر دیا۔

سوال: بئرِ معونہ کا واقعہ اور اس کے اسباق و نتائج بیان فرمائیں ؟

جواب: ماہِ صفر 4 ہجری میں " بیرمعونہ " کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ عامر بن مالک جو بہادری میں مشہور تھا وہ اللہ کے آخری نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی ، نہ تو اس نے قبول کی اور نہ ہی نفرت کا اظہار کیا۔ بلکہ اپنے ساتھ چند منتخب صحابہ کو بھیجنے کی درخواست کی۔ آپ

نے فرمایا کہ مجھے نجد کے کافروں کی طرف سے خطرہ ہے۔ اس نے کہا کہ میں آپ کے اصحاب کی جان و مال کی حفاظت کا ضامن ہوں۔ آپ نے 70صحابہ کو بھیج دیا۔ جب یہ صحابہ مقامِ بئر معونہ پر پہنچے توان کے قافلہ سالار آپ کا خط لے کر عامر بن طفیل کے پاس گئے جو عامر بن مالک کا بھتیجا تھا۔ اس نے انہیں بھی دھوکے سے شہید کروا دیا اور قریب کے قبائل کو ملا کر ان صحابۂ کرام علیہمُ الرِّضوان پر حملہ کردیا۔ صرف ایک صحابی حضرت عمرو بن امیہ کو انھوں نے چھوڑ دیا باقی تمام صحابۂ کرام علیہمُ الرِّضوان کو شہید کر دیا۔ انہوں نے مدینہ پہنچ کر جب یہ تمام واقعہ اللہ کے آخری نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو سنایا تو آپ کو شدید صدمہ ہوا۔

(1)اس میں ہمارے لیے درس ہے کہ حالات چاہے جیسے بھی ہوں دعوتِ دین اور تبلیغ دین کا کام سب سے اہم ہے۔ مقدور بھر ضروری حفاظتی اقدامات کرنے کے بعد نتیجہ رب کی ذات پر چھوڑتے ہوئے ہمیں بھی ہر حال میں اس اہم ترین کام کو آگے بڑھانا چاہیے۔

(2) ان واقعات سے یہ بھی پتہ چل رہا ہے کہ دین کی دعوت دینے کا کام محض انبیائے کرام کا نہیں ہے، بلکہ ایمان لانے والے تمام مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی حیثیت و طاقت کے مطابق دین کی دعوت دینے کے اس عظیم کام میں حصہ ملائیں۔

سوال: مالِ غنیمت اور مال فے میں کیا فرق ہے؟

جواب: (1) وہ مال جسے مسلمان کافروں سے جنگ میں قہر و غلبے کے طور پر حاصل کریں اسے غنیمت کہتے ہیں۔ اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور دیگر مصارف کیلئے ہوتا ہے۔ جبکہ باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔

(2) وہ مال جو مسلمانوں کو کافروں سے لڑائی کے بغیر حاصل ہو جائے چاہے انہیں جلاوطن کر کے حاصل ہو یا صلح کے ساتھ مال نے کہلاتا ہے ۔ 2 جزیہ ،تاوان اور صلح کے بعدملنے والا مال بھی اس قسم میں داخل ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ یہ سب کا سب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس کی مرضی سے تقسیم فرمائیں گے ، مجاہدین میں اس کا تقسیم ہو نا ضروری نہیں۔

سوال: غزوہ خندق کے اسباب اور نتائج بیان کریں؟

جواب: سن پانچ ہجری (627 عیسوی) کے اہم ترین واقعات میں سے ایک غزوہ خندق " ہے۔ اب تک کے چنیدہ غزوات و سرایا سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ عرب کے کافر مسلمانوں سے بغض رکھتے تھے۔ جو بھی موقع دیکھتا مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کا جانی و مالی نقصان کرنے سے نہ چوکتا تھا۔ لیکن صحابہ کرام علیہم الرضوان کی جماعت اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حکم پر ہمیشہ لبیک کہتی اور فوراً سے پیشتر کسی کے پیشگی حملے کا جواب دیتی اور کسی کے خلاف دفاع کا فریضہ سر انجام دیتی تھی۔ جب بنو نضیر کے یہودی مدینے سے جلا وطن کئے گئے تو انہوں نے بدلہ لینے کیلئے شیطانی چال چلی۔ ان کا منصوبہ تھا کہ عرب کے تمام مشرک قبائل کو ملا کر پوری جمعیت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کیا جائے تب ہی یہ قابو آئیں گے۔ ان یہودیوں نے عرب قبائل کو اپنے بھر پور تعاون کا یقین دلانے کے ساتھ جنگ پر اکسایا۔ یہودیوں کے وفود نے عرب قبائل میں جابجا دورے کئے اور کسی کے انتقام کی آگ کو بھڑکا کر، کسی کو لالچ کے جال میں الجھا کر اور کسی کو روشن مستقبل کے دل فریب اور حسین خواب دکھا کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ یوں کفار قریش، بنو غطفان اور بنو سلیم سمیت مختلف کافر اور یہودی جنگ کیلئے تیار ہو گئے۔ چونکہ یہ سب الگ الگ گروہ تھے اسی وجہ سے اس جنگ کا ایک نام " غزوہ احزاب » بھی ہے۔ یہ پہلا موقع تھا جب عرب کے غیر مسلموں کی ایک بہت بڑی تعداد جنہیں گویا پورے عرب کی تائید حاصل تھی، یہ سب ایک ہو کر مدینے پر دھاوا بولنے کے ارادے سے منظم طور پر نکلے۔ ایک قول ہے کہ انکی فوج کی تعداد 10 ہزار تھی۔

اس جنگ میں مسلمانوں کا زیادہ جانی نقصان نہیں ہوا، کُل چھ مسلمان شہادت سے سرفراز ہوئے، مگر انصار کی ایک بہت بڑی شخصیت، قبیلہ اوس کے سردار یعنی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ایک تیر سے زخمی ہو گئے اور پھر شفایاب نہ ہو سکے۔ مشرک مقتولین کی تعداد 4 تھی۔

سوال: صلح حدیبیہ اور اس کے نتائج و اسباق بیان کریں؟

جواب: صلح حدیبیہ اور اس کی وجوہات

اللہ کے آخری نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم اور آپ کے صحابہ عمرہ کے ارادے سے چلے تھے۔ اسی وجہ سے قربانی کے جانور بھی آپ کے ساتھ تھے۔ مگر کافروں نے قسمیں اٹھالیں کہ ہم اپنے جیتے جی مسلمانوں کو کعبہ شریف تک نہیں پہنچنے دیں گے۔ جب آپ کی طرف سے صلح کا پیغام لے کر حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ مکہ تشریف لے گئے تو قریش نے بھی آپ کی خدمت میں کچھ لوگ بات چیت کیلئے بھیجے مگر بات نہ بن سکی۔ پھر قریش نے سہیل بن عمرو کو صلح کی شرائط طے کرنے کیلئے بھیجا جس کے نتیجے میں صلح حدیبیہ کا معاہدہ طے پایا۔ اس معاہدے کی کچھ شرائط یہ ہیں :

1۔ مسلمان اس سال بغیر عمرہ کے واپس چلے جائیں۔

2۔ آئندہ سال عمرہ کیلئے آسکتے ہیں مگر مکہ میں صرف تین دن رکیں۔

3۔ آئندہ 10 سال تک کوئی لڑائی نہیں کی جائے گی۔

4۔ قبائل عرب جس کے ساتھ چاہیں دوستی کا معاہدہ کر سکتے ہیں۔

5۔ مکہ سے کوئی مسلمان مدینہ چلا گیا تو اسے واپس کرنا ضروری ہوگا۔

قرآنِ پاک میں اس صلح کو " فتحِ مبین " فرمایا گیا۔ بظاہر یہ معاہدہ مسلمانوں کے خلاف تھا مگر اس کے بعد ہونے والے واقعات نے بتا دیا کہ یہی صلح بعد میں ہونے والی فتوحات کی کنجی ثابت ہوئی۔

غور و فکر کیا جائے تو اس صلح میں مزید کئی حکمتیں نظر آتی ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں: (1) حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے بعض اوقات مفاہمت و سمجھوتا کر لینے ہی میں ڈور اندیشی اور عافیت ہوتی ہے۔ (2) کثیر اور بڑے فوائد کے لئے کوئی چھوٹا فائدہ ترک کر دینا قرین حکمت اور عقل مندی ہے۔ (3) فتنہ و فساد اور خون ریزی کا اندیشہ ہو تو کبھی حق پر ہوتے ہوئے بھی اپنا حق چھوڑ دینا چاہیے ۔ (4) ذاتی ، خاندانی یا معاشرتی جھگڑوں کے وقت بسا اوقات پیچھے ہٹ جانے سے امن کی بہاریں آجاتی ہیں۔ (5) اگر انتظار کرنے میں زیادہ فائدے کی توقع ہو تو جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔

سترہواں باب بعد از حدیبیہ تا رحلت شریف:

سوال: غزوہ موتہ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

جواب: **غزوۂ موتہ کے اسباب:**

" موتہ " ملکِ شام میں ایک مقام ہے۔ اس جنگ کا سبب یہ ہوا کہ اللہ کے آخری نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے " بُصریٰ " کے بادشاہ قیصر کے نام خط لکھ کر حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ راستے میں شرحبیل بن عمرو نے قاصد کو شہید کردیا۔ جب آپ تک یہ اطلاع پہنچی تو آپ کو سخت صدمہ ہوا۔ اس وقت آپ نے تین ہزار مسلمانوں کا لشکر تیار فرمایا اور اپنے مبارک ہاتھوں سے سفید رنگ کا جھنڈا باندھ کر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا اور انہیں اس فوج کا سپہ سالار بنایا ۔ ساتھ ارشاد فرمایا : اگر یہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابو طالب امیر ہوں گے۔ اگر وہ شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے۔

غزوۂ موتہ:

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جب یہ لشکر روانہ ہوا تو انہیں خبر ملی کہ خود قیصرِ روم ایک لاکھ فوج لے کر موجود ہے۔ اس کے ساتھ مزید ایک لاکھ عیسائی عرب بھی شریک ہورہے ہیں۔ حضرت زید نے اس پر مشاورت کی کہ اللہ کے آخری نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو خط لکھ کر مزید فوج کی درخواست کریں یا جنگ میں کود پڑیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا : ہمارا مقصد فتح یا مال نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا تو مقصود ہی شہادت ہے۔ یہ باتیں سن کر لوگ کہنے لگے : عبداللہ نے سچ کہا ، پھر انہوں نے آگے بڑھ کر " موتہ " کے مقام پر پڑاؤ ڈالا ، لشکر کو ترتیب دیا گیا اور تمام لشکر لڑائی کیلئے تیار ہو گیا۔ انسانی تاریخ کا عجیب معرکہ یہاں پیش آیا کہ تین ہزار جانبازوں کے مقابلے میں دو لاکھ کا لشکر تھا۔ اللہ کے آخری نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی پیش گوئی کے مطابق حضرت زید شہید ہوئے تو حضرت جعفر نے پرچمِ اسلام کو اٹھا لیا ، یہ شہید ہوئے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے پرچم سنبھال لیا۔ آقا علیہ السّلام مدینہ شریف میں ہی یہ تمام واقعات

دیکھ رہے تھے اور بیان فرما رہے تھے۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت خالد بن ولید نے جھنڈا لیا اور اس قدر بہادری سے لڑے کے ان کے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹیں۔ انھوں نے کمال جنگی مہارت سے اسلامی فوج کو دشمنوں کے محاصرے سے نکالا اور مدینہ واپس لے آئے۔ یہ مسلمانوں کی فتح ہی تھی کہ ایک لاکھ کے لشکر کے مقابلے میں صرف 12 صحابۂ کرام علیہمُ الرِّضوان شہید ہوئے ، باقی سب صحیح و سالم واپس آگئے۔ جبکہ دشمن کا نقصان اس سے کہیں زیادہ تھا۔

سوال: فتح مکہ کے اسباب اور اس فتح کے نتائج بیان فرمائیں؟

جواب: حدیبیہ میں ہونے والی صلح کے مطابق مسلمانوں اور کفار قریش کے درمیان 10 سال تک جنگ بندی کا معاہدہ ہوا تھا۔ اس معاہدہ کی رو سے قبیلہ بنو بکر نے قریش سے اتحاد کرلیا اور بنو خزاعہ مسلمانوں سے مل گئے۔ ان دونوں قبیلوں کے درمیان کافی عرصے سے دشمنی تھی۔ ایک دفعہ بنو بکر نے قریش کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے اتحادی قبیلے بنوخزاعہ پر حملہ کر دیا۔ بنوخزاعہ کے لوگ بچنے کیلئے حرمِ کعبہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے وہاں بھی انہیں نہ چھوڑا۔ اس حملے میں بنو خزاعہ کے 23 لوگ قتل ہوئے۔ بنو خزاعہ نے رسول خدا صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم سے مدد کی درخواست کی۔ آپ نے قریش کی طرف پیغام بھیجاکہ تین میں سے کوئی بات مان لو۔

1۔ مقتولوں کی دیت ادا کرو!

2۔ یا پھر بنو بکر سے اتحاد ختم کردو!

3۔ یا پھر یہ اعلان کر دو کہ حدیبیہ کا معاہدہ ختم ہوگیا۔

یہ شرائط سُن کر قریش کے نمائندے نے معاہدہ ختم کرنے کا اعلان کردیا۔ اللہ کے آخری نبی صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم کے قاصد کے واپس جاتے ہی قریش کو احساس ہوگیا کہ ان سے بڑی غلطی ہوگئی ہے۔ انہوں نے فوراً ابو سفیان کو پہلے کی طرح نیا معاہدہ کرنے مدینہ شریف روانہ کردیا۔ مگر ان کی نہ سنی گئی۔ مایوس ہو کر ابو سفیان نے مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر اپنی طرف سے معاہدہ کی تجدید کا اعلان کیا مگر کسی نے بھی

جواب نہ دیا۔ انہوں نے مکہ جاکر ساری صورت حال سردارانِ قریش کے سامنے رکھ دی۔ انہوں نے پوچھا : تمہارے اعلان کرنے کے بعد انہوں نے کوئی جواب دیا؟ ابوسفیان نے کہا : نہیں۔ تو کفار قریش کہنے لگے : یہ تو کچھ بھی نہ ہوا ، نہ تو یہ صلح ہے کہ ہمیں اطمینان ہو ، نہ یہ اعلانِ جنگ ہے کہ ہم تیاری کریں۔ اسی دوران اللہ کے آخری نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے بڑی رازداری اور خاموشی سے جنگ کی تیاری فرمائی ، مقصد یہ تھا کہ اہلِ مکہ کو خبر نہ ہونے پائے اور بے خبری میں ان پر حملہ کیا جائے۔

سوال : بیت اللہ شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے داخلے کی کیفیت بیان فرمائیں؟ نیز آپ نے فتح مکہ کے بعد اپنے دشمنوں سے جو سلوک کیا اس پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیں؟

جواب : رسولِ خدا کا مکہ میں داخلہ:

اللہ کے آخری نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم ہجرت کے آٹھویں (8^{th}) سال رمضان المبارک کی 10 تاریخ کو کم و بیش دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ بعض قبائل راستے میں ساتھ ہوئے تو لشکر کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ گئی۔ مکہ میں داخلے سے پہلے رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا۔ ایک حصے میں آپ خود موجود تھے جبکہ دوسرا حصہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں دے کر اسے دوسرے راستے سے مکہ میں داخلے کا حکم فرمایا۔ مکہ شریف کی زمین پر پہنچتے ہی آپ نے جو پہلا فرمان جاری فرمایا وہ یہ تھا :

- جو شخص ہتھیار ڈال دے گا اس کیلئے امان ہے۔
- جو اپنا دروازہ بند کر لے اس کیلئے امان ہے۔
- جو کعبہ میں داخل ہوجائے اس کیلئے امان ہے۔
- جو ابوسفیان کے گھر داخل ہوجائے اسے امان ہے۔

آپ کے اس اعلانِ رحمت نشان سے ہر طرف امن و امان کی فضا پیدا ہوگئی۔ خون کا ایک قطرہ بھی بہنے کا امکان نہ رہا۔ لیکن قریش کے بعض افراد نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے لشکر پر حملہ کردیا جس سے

تین مسلمان شہید ہوئے اور کم و بیش 12 کافر بھی قتل ہوئے۔ آپ نے جب دیکھا کہ تلواریں چل رہی ہیں اور تیر پھینکے جارہے ہیں تو اس بارے میں پوچھا کہ جنگ سے منع کرنے کے باوجود تلواریں کیوں چل رہی ہیں تو عرض کی گئی : پہل کفار کی طرف سے ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا : رب کی تقدیر یہی ہے ، خدا نے جو چاہا وہی بہتر ہے۔ اللہ کے آخری نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم فاتحِ مکہ بن گئے مگر آپ کی شانِ تواضع کا یہ عالم تھا کہ سورۂ فتح کی آیات تلاوت فرماتے اس طرح سرِ مبارک جھکا کر اونٹنی پر بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کا سر اونٹنی کے پالان سے لگتا تھا۔ آپ نے اونٹنی کو بٹھایا ، طواف کیا اور حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔ پھر حکم دیا کہ بیتُ اللہ شریف سے تمام بت نکال دیئے جائیں۔ جب تمام بتوں سے کعبہ پاک ہوگیا تو آپ اندر تشریف لے گئے اور بیت اللہ کے تمام گوشوں میں تکبیر پڑھی اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

رسولِ خدا کا کریمانہ برتاؤ:

اس کے بعد آپ نے حرمِ کعبہ میں دربارِ عام لگایا ، جس میں افواجِ اسلام کے ساتھ ہزاروں کافر بھی موجود تھے۔ ان کافروں میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے آپ پر اور آپ کے صحابہ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے ، راہ میں کانٹے بچھائے ، جسمِ اطہر پر نجاستیں ڈالیں ، قاتلانہ حملے کئے ، آپ کے صحابہ کو شہید کیا ، مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا ، آپ پر بہتان لگائے اور گالیاں دیں ، اَلْغَرَض! وہ کونسا ظلم تھا جو انہوں نے نہ کیا ہو۔ آج وہ سب کے سب مجرموں کی حیثیت سے آپ کے سامنے تھے۔ آپ چاہتے تو ان سے زبردست انتقام لیتے مگر اللہ کے آخری نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے کوئی انتقامی کاروائی نہ فرمائی ، اپنے کریمانہ لہجے میں ارشاد فرمایا : لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ فَاذْھَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ آج تم پر کوئی الزام نہیں ہے ، جاؤ! تم سب آزاد ہو۔ طرح طرح کی ایذائیں دینے والے دشمنوں پر فتح پا کر ایسا حسنِ سلوک کرنا اس کی مثال نہیں ملتی۔

فتحِ مکہ کے دوسرے دن بھی آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں حرمِ کعبہ کے احکامات بیان فرمائے اور قیامت تک کیلئے حرم میں جنگ اور لڑائی کو حرام فرمایا۔ اس موقع پر آپ کے حسنِ سلوک کی وجہ سے لوگوں کی ایک بڑی جماعت نے اسلام قبول کیا۔ آپ نے مکہ کے اطراف میں موجود دوسرے بت بھی ختم کروا دیے۔

==

تمت بالخیر

کمپوزر: محمد افضل رضا عطاری

03085563948

اپنے اسائنمنٹ کمپوزنگ کروانے کہ لیے رابطہ کر سکتے ہیں

دعوت اسلامی زندہ آباد

صَلُّوْا عَلَی الْحَبِیب! صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد

==